باغ فدک

یہ مسئلہ شیعہ عقائد میں داخل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضورؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو ترکے سے محروم کر دیا گیا۔ وہ اپنے والد گرامی کی جاگیر باغ فدک کا مطالبہ لیکر خلیفۂ اوّل حضرت ابو صدیق کے پاس گئیں مگر انہوں نے مطالبہ پورا نہ کیا اس لیے وہ طعن کا نشانہ بن گئے۔

یہ بات اس لحاظ سے دین کا حصہ ہے کسی کو محروم الارث کر دینا ایک ظلم ہے اور ظلم کو عدل قرار دینا تو اس سے بڑا ظلم ہے پھر اس لحاظ سے اس کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے کہ اس فعل کی نسبت اس ہستی سے کی گئی ہے جسے حضرت فاطمہ کے والد گرامیؐ نے اپنی زندگی میں امت کا امام مقرر کیا تھا اور ان کے شوہر حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں برسر منبر اعلان کیا کہ یہ شخص ساری امت سے افضل ہے۔

اس مسئلہ کا جائزہ لینے کے لیے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(۱) فدک کیا ہے (۲) فدک کی حدود کیا ہیں (۳) یہ جاگیر حضورؐ کے قبضہ میں کیونکر آئی (۴) اس میں حضورؐ کا تصرف مالکانہ تھا یا متولیانہ (۵) اس کی سالانہ آمدنی کتنی تھی۔ (۶) حضورؐ کے زمانہ میں اس آمدنی کا مصرف کیا رہا (۷) حضرت فاطمہ نے میراث کا مطالبہ کیا تھا یا ہبہ کا (۸) اگر ہبہ کا مطالبہ کیا تو مضمون دعویٰ کیا تھا (۹) کیا حضور اکرمؐ نے حضرت فاطمہ کے حق میں اس کی وصیت کی تھی (۱۰) کیا انبیاء کی میراث مالی ہوتی ہے یا علمی (۱۱) صدیق اکبر نے اس مطالبہ پر جو فیصلہ کیا تھا وہ شریعت محمدی کے مطابق تھا یا اس کے خلاف۔

(۱۲) خلیفہ اوّل کے بعد باقی تین خلفاء کے عہد میں اس کا مصرف کیا رہا (۱۳) اگر انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی تو وہ اس جرم سے بری کیونکر بری قرار دئے جا سکتے ہیں۔ یہ تمام پہلو زیر بحث آئیں گے۔

۱۔ فدک کیا ہے اس کی حدود کیا ہیں:۔

مورخین کا فیصلہ:۔

واما فدك وهى بفتح الفاء والمهملة بعدها كاف بلد. بينها وبين المدينة ثلاث مراحل وكان من شانها ما ذكر اصحاب المغازى قاطبة. ان اهل فدك كانوا من يهود فلما فتحت خيبر ارسل اهل فدك يطلبون النبى صلى الله عليه وسلم الامان على ان يتركوا البلد ويرحلوا۔

فدک - فَکی زبر سے ہے مدینہ سے تین منزل پر واقع ہے۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اہل فدک یہودی تھے جب خیبر فتح ہوا تو اہل فدک نے حضورؐ سے امان طلب کی کہ انھیں بستی چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت دی جائے۔

یعنی فدک۔ مدینہ منورہ سے تین منزل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا جس میں یہودی آباد تھے۔

لسان العرب میں لکھا ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے جو حجاز میں واقع ہے۔ مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع میں لکھا ہے کہ فدک، حجاز میں ایک گاؤں ہے جو مدینہ طیبہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر ہے اور اسے اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو فئے کیا تھا۔ صلحاً حاصل ہوا تھا۔ اس میں پانی کے چشمے اور کھجوریں تھیں۔

یعنی اہل لغت، اہل تاریخ اور جغرافیہ دان اس بات پر متفق ہیں کہ فدک ایک گاؤں تھا۔ جس میں یہودی آباد تھے۔

علمائے شیعہ کے نزدیک فدک کی حقیقت:۔

(۱) شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے کتاب اختصاص سے امام جعفر سے بسند معتبر فدک کی حدود بیان کی ہیں۔

(۲) من روزے در خانۂ فاطمہ نشستہ بودم کہ جبرئیل نازل شد وگفت یا محمد برخیز کہ خدا مرا امر کردہ است کہ ملک فدک را برائے آنحضرت بکشم بہ بال خود۔ پس حضرت برخاست ورفت و باز در اندک زمان برگشت فاطمہ گفت کجا رفتی اے پدر! فرمود کہ جبرئیل برائے من بہ بال خود مملکت فدک را خط کشید و حدودش را بمن نمود۔ و مرا امر کرد کہ تسلیم بتو نمائم

میں ایک روز فاطمہ کے گھر بیٹھا تھا کہ جبرئیل آئے اور کہا کہ اے محمدؐ اٹھئے مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ ملک فدک کی حدود کی نشاندہی کر دوں پس حضورؐ اٹھ کر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹے۔ فاطمہ نے کہا ابا جان آپ کہاں گئے تھے۔ فرمایا کہ جبرئیل نے فدک کی سلطنت کی حدود بتانے کے لیے اپنے پروں سے ایک خط کھینچا اور مجھے حکم دیا ہے کہ یہ

پس حضرت ۔ فدک را باو تسلیم کرد ۔
(حیاۃ القلوب ۲ : ۵۰۳)

سلطنت تیرے حوالے کردوں ۔ چنانچہ حضورؐ نے فدک کی سلطنت ان کو دے دی ۔

یعنی فدک ایک ملک تھا ایک سلطنت تھی ۔

(۲) ابن شہر آشوب روایت کردہ است کہ حضرت رسول چوں متوجہ قلعہا ئے فدک شد ایشاں بہ قلعہ ہائے حصین خود متحصن شدند ۔ ایشاں را آنجناب طلبید و گفت کہ چہ خواہید کرد اگر شمارا دریں قلعہ بگذارم و جمیع قلاع شمارا بکشائم و اموال شمار متصرف شوم ایشاں گفتند ما دراں قلعہا محافظاں داریم و کلید ہائے آنہا نزد ماست ۔ حضرت فرمود بلکہ کلید ہائے آنہا را بمن دادہ است و در دست من است و کلید ہائے بایشاں نمود ۔
(حیاۃ القلوب ۲ : ۵۰۳)

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے جب فدک کے قلعوں کا رخ کیا تو وہ لوگ اپنے مضبوط قلعوں میں قلعہ بند ہوگئے حضورؐ نے انھیں طلب کیا اور فرمایا کہ اگر میں تمہیں اسی قلعہ میں بند رکھوں اور تمام قلعوں اور اموال پر قبضہ کرلوں ۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ان قلعوں میں محافظ رکھے ہوئے ہیں اور ان کی چابیاں ہمارے پاس ہیں ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کی چابیاں تو میرے پاس ہیں پھر حضورؐ نے وہ چابیاں انہیں دکھائیں ۔

یہ روایت پہلی روایت کی تائید کرتی ہے کہ فدک ایک سلطنت تھی جس میں عظیم الشان قلعے تھے ۔

(۳) اصول کافی میں فدک کی تفصیل یہ درج ہے :۔

لما ورد ابو الحسن موسیٰ علیہ السلام علی المھدی رآہ یرد المظالم فقال یا امیر المؤمنین ما بال مظلمتنا لا تُرد فقال لہ ما ذاک یا ابا الحسن قال ان اللہ تعالیٰ لما فتح علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ما و الاھالم یوجف [illegible] ولا [illegible] انزل اللہ تعالیٰ علی نبیہ صلی

جب ابوالحسن موسیٰ ۔ خلیفہ مہدی کے پاس یہ سنکر گئے کہ وہ مظالم لوٹا رہا ہے تو کہا امیر المؤمنین کیا وجہ ہے کہ ہمارے مظالم نہیں لوٹائے گئے ۔ پوچھا کونسے ؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریمؐ کے ہاتھوں فدک فتح کرایا تھا پس پیکھوئی چڑھائی نہیں کی تھی تو حضورؐ پر آیت و آت ذالقربی

الله عليه وسلم وآت ذا القربى حقه فلم
يدر رسول الله من هم فراجع
جبرئيل ربه فاوحى الله اليه
ان ادفع الى فاطمة فدعا
رسول الله فقال لها يا فاطمة
ان الله امرني ان ادفع اليك
فدك. فقالت قد قبلت يا رسول
الله من الله ومنك فلم يزل
وكلاءها في حياة رسول الله صلى
الله عليه وسلم فلما ولي ابوبكر
اخرج ابوبكر وكلاءها عنها
فاتته فسألته ان يردها عليها....
قال المهدي له يا ابا الحسن حدها لي
فقال حد منها جبل احد وحد
منها عريش مصر وحد منها
سيف البحر وحد منها
دومة الجندل فقال له كل هذا قال نعم يا
امير المومنين هذا كله- ان هذا كله
مما لم يوجف -

(اصول کافی ص۳۰۳)

الخ نازل ہوئی۔ حضور اکرمؐ کو علم نہیں تھا کہ قرابت دار کون ہیں اس لیے جبریل سے پوچھا انہوں نے اللہ سے درخواست کی اللہ نے وحی کی کہ فدک فاطمہ کو دے دیجئے۔ حضورؐ نے انہیں بلایا اور فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فدک تجھے دوں فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ اللہ کی طرف سے اور آپ کی طرف سے میں نے قبول کیا۔ پھر حضورؐ کی زندگی میں فاطمہ کے وکلاء اس باغ پر مقرر رہے جب ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے تو انہوں نے وکلاء کو نکال دیا فاطمہ ابوبکر کے پاس آئیں کہ فدک انہیں لوٹا دے۔ . . . .

مہدی نے کہا ابوالحسن! فدک کی حدود تو بیان کیجئے۔ جواب دیا اس کا ایک سرا جبل احد ہے۔ دوسرا عریش مصر ہے۔ تیسری طرف سمندر کا کنارہ ہے اور چوتھی جانب دومۃ الجندل ہے۔ مہدی نے کہا یہ سارا فدک ہے؟ کہا ہاں یہ سارا فدک ہے جس پر حضورؐ نے گھوڑے نہیں دوڑائے

(۴) اسی مضمون کی ایک روایت ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار (۸: ۱۰۱) کتاب الفتن میں بیان کی ہے۔ اس میں فدک کی حدود یہ بیان ہوئی ہیں۔

اس کی ایک حد عدن ہے۔ دوسری سمرقند۔ تیسری افریقہ۔ چوتھی سمندر کا کنارہ ہے جو آرمینیا سے ملا ہوا ہے۔

ان روایات سے فدک کی وسعت کی تعیین ہوگئی۔ نئی بات یہ معلوم ہوئی کہ حضورؐ کی زندگی میں اس جاگیر پر حضرت فاطمہ کے وکلاء مقرر تھے۔ حضرت ابوبکر نے نکال دئے

(۵) ملا باقر مجلسی نے فدک کی تفصیل اس طرح بھی دی ہے۔

حضرت در جمیع خانہ ہائے شہر ہائے ایشاں گردید پس جبرئیل گفت کہ خدا ایں را مخصوص تو گردانیدہ و بتو بخشیدہ	حضرت اس کے تمام شہروں کے تمام مکانات میں پھرے پھر جبرئیل نے کہا کہ یہ خدا نے آپکے لیے مخصوص کیا ہے۔

(حیاۃ القلوب ۲: ۲۱۸)

(۶) سید نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں۔

واما حدودها فقال موسی بن جعفر علیه السلام ان حدها الاول عریش مصر والحد الثانی دومة الجندل والحد الثالث تیما والحد الرابع جبل من المدینه۔	جہاں تک فدک کی حدود کا تعلق ہے امام موسیٰ بن امام جعفر نے فرمایا اس کی ایک حد عریش مصر ہے دوسری دومۃ الجندل ہے تیسری تیما ہے اور چوتھی احد کا پہاڑ ہے۔

(انوار نعمانیہ ۱: ۱۲)

ان چھ روایات اور اقتباسات کا ماحصل یہ ہے کہ:۔

(۱) فدک ایک وسیع سلطنت تھی جو آرمینیا سے لے کر مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔
(۲) رسول کریمؐ نے یہ سلطنت حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دی۔
(۳) اس سلطنت میں کئی عظیم الشان قلعے تھے۔
(۴) اس سلطنت میں کئی شہر تھے۔
(۵) اس سلطنت میں رسول کریمؐ کی زندگی میں کئی وکلاء مقرر تھے جو ابوبکر صدیق نے نکال دئے

اہل لغت، مؤرخین اور جغرافیہ دان کہتے ہیں فدک ایک بستی تھی یہ امر واقعہ ہو یا رائے بہر حال انسان کا مشاہدہ اور خیال ہی ہو سکتا ہے مگر ان چھ روایات سے ظاہر ہے کہ امام معصوم بیان کر رہے اور جبرئیل امین نشاندہی کر رہے اور رسول کریمؐ ہبہ کر رہے ہیں لہٰذا اس کو رائے نہیں کہا جا سکتا بلکہ شیعہ کے نزدیک فدک ایک وسیع سلطنت تھی

..... جو آرمینیا سے مصر تک اور عدن سے رومۃ الجندل تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس حقیقت کے پیش نظر یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ نے ابوبکر صدیق سے جس فدک کا مطالبہ کیا تھا وہ اہل لغت کا خیالی نہیں بلکہ ائمہ معصومین کا بیان کردہ حقیقی فدک ہی مانگا ہوگا۔ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی سلطنت حجاز کے ایک چھوٹے سے حصے سے آگے نہیں بڑھی تھی پھر وہ حضرت فاطمہ کا مطالبہ کیونکر پورا کر سکتے تھے۔ اور حضرت فاطمہ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ جان بوجھ کر حضرت ابوبکر سے وہ چیز مانگ رہی ہیں جو ان کے قبضے میں نہیں کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔ اگر آج کوئی شخص صدر پاکستان سے مطالبہ کرے کہ مجھے افغانستان اور ایران بطور جاگیر دے دیا جائے۔ صدر پاکستان بھلا اس کا مطالبہ کیونکر پورا کر سکتے ہیں اس پر اگر وہ شخص روٹھ جائے اور صدر پاکستان کو غاصب کہنے لگے تو اس کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ اس بنا پر عقل کا فیصلہ یہی ہے۔ حضرت فاطمہ کا مطالبہ محض فرضی قصہ ہے۔ جو لوگ اس مطالبہ کو صحیح تصور کرتے ہیں ان کا فرض ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت کریں کہ مطالبہ کے وقت یہ علاقے ابوبکر صدیق کے قبضہ میں تھے اور اسلامی حکومت کی حدود میں داخل تھے۔ اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو مطالبہ کو فرضی قصہ اور جعلی داستان کہنا پڑے گا۔

(۷) صاحب درۃ النجفیہ نے فدک کی تفصیل یہ دی ہے۔

وفدک بفتحتین قریۃ من القری الیھود بینھا وبین المدینۃ الثنی یومان ص ۳۲۹	فدک یہودیوں کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے جو مدینہ سے دو دن کی مسافت پر ہے۔
(۸) اسی درۃ النجفیہ میں ہے	
وروی انہ کان فیھا احدی عشر نخلۃ غرسھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ وکانت بنو فاطمۃ یھدون ثمرھا الی المحاج (ص ۳۳۲)	اور روایت کیا گیا ہے کہ باغ فدک میں کھجور کے گیارہ درخت تھے جو حضور اکرمؐ نے اپنے دست مبارک سے لگائے تھے ان کا پھل اولاد فاطمہ حاجیوں کو ہدیۃ دیا کرتے تھے۔

درۃ النجفیہ کی روایات کے مطابق فدک کی سلطنت سمٹ کر بستی رہ گئی پھر اور سمٹی تو کھجور کے گیارہ درخت اس کی کل کائنات ٹھیری۔ کیا انہیں گیارہ درختوں والی زمین کی نشاندہی کے لیے جبریل اپنے پروں سے کام لیتے رہے۔ درخت تو بعد میں حضور اکرمؐ

نے لگانے پہلے تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت فاطمہ نے اتنی سی زمین اور گیارہ درختوں کے لیے اتنے جتن کئے اور بقول شیعہ عمر بھر خلیفۂ رسول سے ناراض رہیں یہ رویہ تو آج کا ایک خالص دنیا دار اور مادہ پرست انسان بھی اختیار نہیں کرتا حضرت فاطمہ کو دنیا اتنی عزیز تھی۔ کہ اس کی خاطر ابوبکر صدیق سے اپنے والد کی حدیث سن لینے کے بعد بھی ناراض ہی رہیں۔ یہ ایک عجیب معمہ ہے سا اس لیے یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت فاطمہ کا مطالبہ اسی فدک کیلئے ہوگا جو بہ سند معتبر گذشتہ چھ روایات میں بیان ہوا ہے اور جو اس وقت صدیق اکبر کی سلطنت میں شامل نہیں تھا۔

باغ فدک کی آمدنی :۔

(۱) پس اہل فدک بخدمت حضرت رسول آمدند و بایشاں مقاطعہ نمود کہ ہر سال بست وچہار ہزار دینار بدہند بحساب ایں زمانہ تقریباً سہ ہزار وشش صد تومان باشد۔
(حیاۃ القلوب ۲ : ۲۱۸)

اہل فدک حضورؐ کے پاس آئے ان سے طے ہوا کہ ہر سال ۲۴ ہزار دینار دیں گے اس زمانہ کے حساب کے مطابق ۳۶۰۰ تومان بنتے ہیں۔

(۲) تشئید المطاعن میں سید محمد قلی لکھتے ہیں کہ ایک لاکھ بیس ہزار دینار تھی۔ اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں فدک کی آمدنی ایک لاکھ چالیس ہزار دینار سالانہ تھی۔

درۃ النجفیہ کی روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ کل ۱۱ درخت تھے جو حضورؐ نے لگائے تھے اس روایت کی تعبیر میں کہا جاتا ہے کہ باغ تو بڑا وسیع تھا البتہ ۱۱ درخت حضورؐ نے لگائے تھے۔ یہ تعبیر الفاظ کا ساتھ نہیں دیتی۔ فیہا میں ھا ضمیر کا مرجع زمین فدک ہے یعنی اس زمین میں کل ۱۱ درخت تھے ورنہ عبارت یوں ہوتی کہ وسیع باغ تھا جس میں گیارہ درخت حضورؐ نے خود لگائے تھے اس لیے روایت کے الفاظ کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اس باغ میں کل گیارہ درخت تھے اور وہ بھی حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے لگائے تھے۔

اب واقعات کی روشنی میں اس آمدنی کا جائزہ لینا چاہیے۔

(۱) ۷ھ میں فدک کی زمین اسلامی سلطنت میں شامل ہوئی۔

(۲) ۱۱ھ میں حضور اکرمؐ اس جہان سے رخصت فرما گئے۔

عام تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ کھجور کا درخت چار پانچ سال سے پہلے پھل نہیں دیتا۔ پھر حضورؐ نے کل گیارہ درخت جو لگائے تھے اس پر "دو کلاڑ" کتنے اور کیوں مقرر کئے تھے جو حضرت ابوبکر نے نکال دئے۔ اور پھل آنے سے پہلے ہی ان درختوں سے اتنی آمدنی کیسے ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ روایت بنانے میں ذرا اور احتیاط کی جاتی اور دو سو معافی جگہ ابرصاً لکھا جاتا تو کچھ بات بن جاتی کیونکہ پیوند شدہ کھجور دوسرے تیسرے سال پھل دینے لگتی ہے۔

پھر دیکھنا یہ ہے ۱۱ درخت ایک موسم میں کتنا پھل دے سکتے ہیں۔ کہتے ہیں ۲۰ سیر سے ایک من تک ایک درخت پھل دے سکتا ہے۔ حساب یوں بنتا ہے کہ ۱۱ من کھجور کی قیمت ۱۲۰۰۰ دینار یعنی ۱۰۹۰.۹ دینار فی من یعنی ۲۷.۲ دینار فی سیر، ۱۷ دینار فی چھٹانک اور ۱/۲ ۵ دینار فی تولہ اب دیکھنا یہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں کہیں اتنی مہنگی کھجور بھی بکتی تھی یہ تو سونے کے نرخ معلوم ہوتے ہیں۔ آخر مبالغہ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اور مبالغہ صرف شعروں میں چلتا ہے۔ حسابی عمل میں مبالغہ کا کیا کام۔

پھر یہ ایک حقیقت ہے کہ کھجور کے درخت اس وقت تک پھل نہیں دے سکتے جب تک ان میں کوئی نہ کوئی نر درخت نہ ہو۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک نر درخت تھا اور دس مادہ تو ۱۰ درختوں کے پھل کی قیمت ۱۲۰۰۰ دینار یعنی ۳۰۰ دینار فی سیر قیمت بنی۔ خواب کی دنیا کی بات ہو تو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر جیتی جاگتی اور حقائق کی دنیا میں اس بات کو وہی تسلیم کرے گا جسے عقل سے پیدائشی بیر ہو۔

فدک کی جاگیر حضورؐ کے قبضہ میں کیسے آئی؟

فتح الباری ۶ : ۱۴۳، تفسیر کبیر اور فتوح البلدان میں مذکور ہے کہ جب خیبر فتح ہو چکا اور حضور اکرمؐ واپس آ رہے تھے تو آپ نے حضرت محیصہ بن مسعود انصاری کو اہل فدک کی طرف بھیجا کہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دیں۔ یہود کے رئیس یوشع بن نون نے فدک کی نصف آمدنی

پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ چونکہ جنگ کی نوبت نہ آئی اس لیے یہ آمدنی حضورؐ کیلئے مختص رہی۔
نبی کریمؐ کے قبضہ میں مال آتے تھے قرآن کریم نے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔
زکوٰۃ۔ غنیمت۔ ورثہ۔ زکوٰۃ پر لفظ صدقہ کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔
قسم اول یعنی صدقات کے اموال رسول کریمؐ اور آل رسول کے لیے حرام تھے۔
قسم دوم یعنی غنیمت کی حقیقت انفال کے نام سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی اور اس کی تقسیم کا طریقہ بھی بیان فرما دیا۔
قسم سوم یعنی فئے کے متعلق قرآن مجید نے تفصیل بیان کر دی۔
ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ
وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین
وابن السبیل۔
فئے اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کئے بغیر صلح سے ہاتھ آئے اور فدک اسی طریقہ سے حضورؐ کے قبضہ میں آیا تھا لہٰذا فدک کی جاگیر مال فئے سے تعلق رکھتی ہے۔

مال فئے پر حضورؐ کے قبضہ کی نوعیت:۔

آیت مندرجہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ فدک کی جاگیر پر حضورؐ کا قبضہ مالکانہ نہیں تھا بلکہ متولیانہ تھا۔ یعنی آپ فدک کی آمدنی کی تقسیم کے متولی تھے جیسے کسی حکومت میں وزیر خزانہ ہوتا ہے۔ وہ خزانہ کا مالک نہیں بلکہ متولی ہوتا ہے اسی طرح فدک کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور رسول کریمؐ کو اس مال کی تقسیم کے لیے متولیانہ تصرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ اگر قبضہ مالکانہ ہوتا تو ذی القربیٰ یتامیٰ۔ مساکین اور مسافر اس میں شریک نہ کئے جاتے۔ ان چار اقسام کے لوگوں کو مال فئے میں شریک کرنا ہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ مال حضورؐ کی ذاتی ملکیت نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کی خبر گیری کے لیے حضورؐ کو متولیانہ تصرف کرنے کا حکم دیا گیا۔ اگر رسول کریمؐ کو مالک قرار دیا جائے تو آیت کی رو سے ان چار قسم کے لوگوں کو بھی مالک قرار دیا جائے اور میراث کا سوال اٹھا تو ان سب میں میراث تقسیم ہوگی۔

اب تقسیم کے دو ہی طریقے ہیں۔

اوّل باعتبار رقبہ :- یہ صورت محال ہے کیونکہ مسکین کلی ہے خواہ نوع ہی ہو۔ اسی طرح یتیم بھی کلی ہے۔ مسافر بھی کلی ہے جن کے افراد لاتعداد ہیں پھر رقبہ کیسے تقسیم ہو سکے گا۔

دوم باعتبار آمدنی :- یہ صورت ممکن ہے افراد بدل سکتے ہیں تقسیم ہو سکے گی اس صورت میں یہ مال کسی کی مملوکہ چیز نہ ہو گی تقسیم کرنے والا متولی ہو گا۔ مالک کوئی بھی نہ ہو سکے گا۔ ہاں رقبہ کسی کے نام منتقل ہو تو اسے حقوق مالکانہ مل سکتے ہیں مگر یہ صورت یہاں ممکن نہیں اس جاگیر کے متعلق خلفائے ثلاثہ کے بعد جو صورت اختیار کی جاتی رہی اس کی تفصیل یوں ملتی ہے۔

قال القرطبی ان ولی علیؓ لم یتغیر عن الصدقۃ عما کانت فی ایام الشیخین ثم کانت بعدہ بید الحسن ثم بید الحسین ثم بید علی بن الحسین ثم بید الحسن بن الحسن ثم بید عبداللہ بن الحسین ثم ولیھا بنو العباس علی ما ذکرہ الامام البرقانی فی صحیحہ ولم یرد عن احد من ھولاء انہ تملکھا ولا ورثھا ولا ورثت عنہ فتح الباری ۶: ۱۴۰، عمدۃ القاری ۲: ۱۲۳

و

(کتاب الخمس ابو حفص بن شاہین)

قرطبی کہتے ہیں کہ جب علیؓ خلیفہ ہوئے تو فدک کا وہی نظام برقرار رہا جو شیخین کے زمانہ میں تھا کچھ تغیر نہ کیا پھر حضرت حسن کے پاس آیا پھر حسین کے پاس پھر زین العابدین کے پاس پھر حسن بن حسن پھر زید بن حسن پھر عبداللہ بن حسین پھر بنو عباس متولی ہوئے جیسا کہ برقانی نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے اور کسی نے ذکر نہیں کیا کہ یہ لوگ فدک کے مالک بنے ہوں یا وارث بنے ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فدک کی زمین پر شیخین کے زمانہ جو قبضہ متولیانہ رکھا جاتا تھا وہی برتاؤ حضرت علی کے عہد میں کیا گیا پھر اولاد فاطمہ کے تصرف میں جب یہ جاگیر آئی تو ان کا قبضہ بھی متولیانہ رہا۔ خلفائے اربعہ نے حضور اکرمؐ کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس لیے وہی طریقہ اختیار کیا اور خلفائے اربعہ کی اتباع کرتے ہوئے اولاد فاطمہ میں سے مذکورہ بزرگوں نے اس پر قبضہ متولیانہ کی صورت برقرار رکھی۔ علامہ قرطبی نے اولاد فاطمہ کے نام ذکر کر کے آخر میں دوسری صورت کی نفی کر دی۔ کہ کسی ایک فرد سے منقول یا ثابت نہیں کہ فدک پر ان کا

قبضہ مالکانہ تھا یا اسے میراث بنایا گیا یا ان میں سے کوئی فرد اس جاگیر کا وارث ہوا۔

اس سلسلے میں جن الفاظ سے رسول کریمؐ کی جانب اضافت کا وہم ہوتا ہے محدثین نے اس کی تردید کر دی ہے۔ چنانچہ فیض الباری ۴ : ۴۶۲ اور وفاء الوفا سمہودی میں فان للہ خمسہ وللرسول کے تحت بیان ہوا ہے۔

یرید به دفع الوهم الناشی من الآیة انه جعلت الخمس الی رای الامام مع المدیة تدل علی کونه ملکا لرسول الله فازاحه بان اضافته الی رسول الله للقسم دون الملك.

اس کا مقصد اس وہم کو دور کرنا ہے جو آیت قرآنی کے مفہوم سے پیدا ہوتا ہے۔ تو نے خمس کو امام کی رائے پر چھوڑ دیا مع وصیت کے یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ یہ حضورؐ کی ملکیت تھا پر اس اس بات سے رد کیا کہ یہ اضافت تقسیم کیلئے ہے ملکیت کے لیے نہیں۔

اور فیض الباری ۴ : ۴۵۹ پر مذکور ہے۔

فخص رسوله بان کانت لرسول الله خالصة ای بالولایة دون الملك الی ان قال واعلم ان مخاصمة فاطمة بنت رسول الله من ابو بکر کانت فی التولیة۔

رسول کریمؐ کو فدک کے متولی ہونے میں مختص کیا مالک ہونے میں نہیں . . . . اور یہ بھی جان لو کہ حضرت فاطمہ کا مطالبہ حضرت ابوبکر سے ولایت فدک کے لیے تھا میراث اور ملک کیلئے نہیں تھا۔

خلاصہ یہ کہ فدک مال فے تھا اور یہ مال کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا اس لیے فدک بھی حضورؐ کی ذاتی ملکیت نہیں تھا۔

شیعہ مفسر شیخ مقداد نے اپنی تفسیر کنز العرفان میں مال غنیمت اور مال فے کے متعلق لکھا ہے۔

ان ما اخذ من الکفار ان کان من غیر قتال فهو فیٔ وان کان مع القتال فهو غنیمة وهو مذهب اصحابنا۔ (ص۴۴)

جو مال کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہو وہ فے ہے اور جو جنگ سے حاصل ہو وہ غنیمت ہے۔ ہمارا مذہب یہی ہے۔

پھر اسی تفسیر کنز العرفان میں فے کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

والصحیح ما قالہ الباقر
انما ما اخذ من دار الحرب
بغیر قتال کالذی استجلی
عنہا اہلہا وھو المسمی نفلا و میراث
من لا وارث لہ وقطائع الملوک
اذا لم تکن مغصوبۃ
والاجام وبطون الاودیۃ
والموات فانہا للہ ولرسولہ
وبعدہ من قام مقامہ
لیصرفہ حیث یشاء من مصالح۔
(ص۸۶)

صحیح بات وہ ہے جو امام باقر سے منقول ہے کہ جو مال کفار دار الحرب سے بغیر لڑائی کے لیا جائے مثلاً اس ملک کے باشندوں کو جلاوطن کیا جائے وہ مال فے ہے اور میراث ہے اس شخص کی جس کا کوئی دوسرا وارث نہ تھا اور بادشاہوں کی جاگیریں جو غصب شدہ نہ ہوں جنگلات اور وادیاں اور غیر آباد زمین خدا کی اور اس کے رسول کی ہیں رسول کے بعد اس کے قائم مقام خلیفہ یا نائب کی ہیں وہ خلیفہ ان میں اپنی صوابدید کے مطابق مصالح عامہ کے لیے تصرف کرے گا۔

امام باقر کے قول کے مطابق مال فے کو میراث بھی کہتے ہیں اس میں رسولؐ کے بعد نائب رسول ہی قبضہ متولیانہ کے ذریعے مصالح عامہ کیلئے تصرف کا حقدار ہے۔

سید نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں۔

ان اول من رد فدکا علی ورثۃ فاطمۃ
سلام اللہ علیہا عمر بن عبد العزیز وکان
معاویۃ اقطعہا لمروان بن الحکم
وعثمان بن عفان ویزید بن معاویۃ و
جعلہا بینہم ثلاث ثم قبضت من ورثۃ
فاطمۃ فردھا سفاح ثم قبضت منہم فردھا
علیہم المامون و قبضت فردھا علیہم
المستعصم ثم قبضت فردھا علیہم

پہلے شخص جنہوں نے فدک حضرت فاطمہ کے ورثا کو لوٹایا وہ عمر بن عبد العزیز تھے اور امیر معاویہ حضرت عثمان اور یزید نے اس کے تین حصے کر دئے تھے اور امیر معاویہ نے مروان بن الحکم کو ایک حصہ دے دیا تھا۔ پھر ان سے لے لیا گیا اور خلیفہ سفاح نے لوٹایا پھر چھین لیا گیا پھر مامون نے لوٹایا پھر چھین لیا گیا پھر واثق نے لوٹایا پھر چھین لیا گیا

المعتمد ثم قبضت منهم فردها عليهم المعتضد ثم قبضت فردها عليهم الراضي۔ (انوار نعمانیہ ۱:۱۶۱)	پھر منتصر نے لوٹایا پھر چھین لیا گیا پھر معتمد نے لوٹایا پھر چھین لیا گیا پھر معتضد نے لوٹایا پھر چھین لیا گیا پھر راضی باللہ نے لوٹایا۔

یہ روایت اور عینی فیض الباری اور قرطبی کی روایت کا مضمون ملتا جلتا ہے شیعہ سنی دونوں طرف کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام حکام خواہ بنو امیہ کے ہوں یا بنو عباس کے فدک کو میراث نہیں سمجھتے تھے۔ اس پر جس کا قبضہ رہا متولیانہ رہا۔ مالکانہ نہیں۔ اگر یہ کسی کی ذاتی ملکیت ہوتی تو خلفاء یقیناً اس کے قبضہ میں رہنے دیتے۔ اس لیے اہل بیت کے جن افراد کو یہ لوٹایا گیا ان کا قبضہ تولیانہ تھا۔

انوار نعمانیہ کی روایت میں دو باتیں ایسی ہیں جنہیں غلط بیانی کہنا چاہیے ممکن ہے تقیہ کے طور پر ایسا کیا گیا ہو۔ اول یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت فاطمہ کے ورثاء کو فدک لوٹا دیا تھا۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ مشکوٰۃ باب الفئی میں اس کی تفصیل درج ہے بقدر ضرورت حصہ حدیث یہ ہے۔

ثم اقطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبد العزيز فرأيت امرا منعه رسول الله فاطمه ليس لي بحق واني اشهدكم اني رددتها على ما كانت يعني على رسول الله وابي بكر وعمر۔	پھر مروان نے باغ فدک کاٹ لیا تھا۔ پھر عمر بن عبدالعزیز کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے کہا میرا خیال ہے کہ جو فدک حضورؐ نے فاطمہ کو نہیں دیا تھا وہ خاص میرا حق کیسے بن گیا۔ اس لیے میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں فدک کو اسی طریقہ پر لوٹاتا ہوں جس پر رسول کریمؐ کے زمانہ میں اور شیخین کے زمانہ میں تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے فدک کی آمدنی کی تقسیم کا معاملہ اس طریقہ کی طرف لوٹایا جو رسول کریمؐ اور شیخین کے زمانہ میں اختیار کیا جاتا رہا۔

فدک کے ٹکڑے کرنے کی نسبت حضرت عثمان کی طرف کرنا بھی غلط ہے اشعۃ اللمعات

میں لکھا ہے۔

وظاہر آں است کہ ایں در زمان سلطنت مروان شد

فدک کی آمدنی کی تقسیم کے لیے جو طریقہ کار رسول کریمؐ نے اختیار فرمایا تھا اسی کا اتباع شیخینؓ بلکہ خلفاء اربعہ نے کیا۔ شیعہ کتب میں اس کی تائید ملتی ہے۔ مثلاً

وکان رسول اللہ یاخذ غلتھا فیدفع الیھم منھا ما یکفیھم ثم فعلت الخلفاء بعدہ کذلک الی ان ولی معاویۃ فاقطعھا مروان ثلثھا بعد الحسن ثم خصت لہ فی خلافتہ وتداولھا الی ان انتھت الی عمر بن عبد العزیز فردھا علیھم الی الجھادی سفاح ثم قبضھا والداہ موسی وھارون فلم تزل فی ایدی بنی عباس الی زمان المامون فردھا الیھم وبقیت الی عھد المتوکل فاقتطعھا عبد اللہ وروی انہ کان فیھا احدی عشر نخلۃ غرسھا رسول اللہ بیدہ فکانت بنو فاطمہ یھدون ثمرھا الی الحجاج۔ (حدیدی شرح نہج البلاغہ ۲: ۲۹۶ درۃ النجفیہ ص ۳۳۱)

اور حضورؐ اس کا غلہ لے لیتے اور اہل بیت کو اس سے اتنا دے دیتے جو ان کے لیے کافی ہوتا پھر آپ کے بعد خلفاء نے بھی ایسا ہی کیا پھر امیر معاویہ حاکم ہوئے مروان نے اس کا ایک تہائی کاٹ لیا پھر اپنی خلافت میں اسے اپنے لیے مختص کر لیا اور اس میں دست اندازی کرتا رہا حتیٰ کہ عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد میں اہل بیت کو یہ لوٹا دیا۔ پھر سفاح نے قبضہ کیا پھر موسیٰ اور ہارون نے پھر مامون کے زمانہ تک بنو عباس کے پاس رہا اس نے اہل بیت کو لوٹا دیا اور متوکل کے عہد تک اسی طرح رہا۔ پھر عبد اللہ نے قطع کر لیا۔ روایت کی گئی ہے کہ اس میں کھجور کے گیارہ درخت تھے جو نبی کریمؐ نے اپنے ہاتھ سے لگائے تھے اور بنو فاطمہ ان درختوں کا پھل حاجیوں کو بطور تحفہ دیا کرتے تھے

اس روایت سے ظاہر ہے کہ خلفاء نے وہی طریقہ جاری رکھا جو نبی کریمؐ نے اختیار کیا تھا اور بعد میں حکام وقت باغ فدک میں تداول کرتے اور ہاتھوں ہاتھ چلاتے رہے۔ یہ چیز اس امر کی بین سے دلیل ہے کہ فدک کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں تھا۔ اور اولاد فاطمہ کو لوٹانا تاسف

ان کی متولیانہ حیثیت سے ہوتا تھا۔ اگر کسی کی ملکیت ہوتی تو اس میں میراث جاری ہوتی اور جس کے قبضہ میں جاتا اس کی اولاد میں شرعی طریقہ پر تقسیم کیا جاتا۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ حکام وقت دوسروں کی ملکیت میں ایسا عمل کیوں نہیں کرتے تھے۔ صرف فدک کے معاملہ میں یہ رویہ اختیار کرنا عدم توریث کی بین دلیل ہے۔ پھر ابن حدید شرح نہج البلاغہ ۲: ۲۹۶ پر یوں تفصیل دی گئی ہے۔

وکان ابوبکر یأخذ غلتها فیدفع الیهم منها ما یکفیهم ویقسم الباقی وکان عمر کذلک ثم کان عثمان کذلک ثم کان علی کذلک فلما ولی الامر معاویة بن ابی سفیان اقطعها مروان بن الحکم ثلثها واقطع عمر بن عثمان ثلثها واقطع یزید بن معاویة ثلثها وذلک بعد موت حسن بن علی فلم یزالوا یتداولونها حتی خلصت کلها لمروان بن الحکم ایام خلافته۔

اور ابوبکر صدیق کا طریقہ یہ تھا کہ فدک کی آمدنی اہل بیت رسولؐ کی ضروریات پر خرچ کرتے تھے جو بچ رہتا وہ راہ خدا میں تقسیم کر دیتے پھر حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی کے عہد میں یہی معمول رہا۔ پھر امیر معاویہ کے عہد میں مروان نے ثلثائی فدک اپنے نام خاص کر لیا اور ثلثائی حصہ عمر بن عثمان نے اپنے لیے مخصوص کر لیا پھر ثلثائی یزید نے اپنے لیے خاص کر لیا یہ تمام حصے حضرت حسن بن علی کی وفات کے بعد کئے گئے۔ پھر فدک دست بدست چلتا رہا حتیٰ کہ مروان کے عہد میں سارا فدک اس کے قبضہ میں چلا گیا۔

اسی قسم کا بیان فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ مولفہ علی نقی ۸: ۹۶۰ پر ملتا ہے۔

خلاصہ:- ابوبکر غلہ وسودان آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیتؑ داد و خلفاء بعد ہم بر آن اسلوب رفتار نمودند تا زمان معاویہ کہ ثلث آں را بعد از امام حسن بمروان داد

ابوبکر صدیق۔ اس کا غلہ اہل بیتؑ کو بقدر کفایت دیتے تھے ان کے بعد خلفاء نے بھی طریقہ جاری رکھا۔ امیر معاویہ کے زمانہ تک یہی طریقہ رہا۔ پھر امام حسن کے بعد مروان نے ایک تہائی خود لے لیا۔

اسی طرح کی تفصیل شرح نہج البلاغہ میثم بحرانی صفحہ ۵۴۳ پر ملتی ہے۔

صاحب درۃ النجفیہ، ابن ابی الحدید، علی نقی اور میثم بحرانی چاروں چوٹی کے شیعہ کے علماء نے شہادت دی کہ

(۱) رسول کریمؐ فدک کی آمدنی سے اہل وعیال کی ضرورت کے مطابق مال لے لیتے تھے باقی تقسیم کر دیتے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی نے بالکل وہی طریقہ جاری رکھا۔

(۳) امیر معاویہ کے زمانے میں مروان نے تہائی حصہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔

(۴) حضرت علی اور امام حسن فدک کے معاملہ میں نبی کریمؐ اور خلفائے ثلثہ کے ساتھ کلی طور پر متفق رہے۔

اس لیے اگر خلفائے ثلثہ کو فدک کے بارے میں مجرم قرار دیا جائے تو حضرت علی کو اس جرم سے بری قرار دینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اس سلسلے میں حضرت انور شاہ کاشمیری کا بیان خالی از فائدہ نہ ہوگا فرماتے ہیں۔

والحال ان علیاً و عثمان ایضاً یمشیا علی ما فعلہ الشیخان وحکی ان رجلا فضیا ذھب عند السفاح الخلیفۃ العباسی فقال انی مظلوم فاجرنی قال الخلیفۃ من ظلمک قال ابوبکر وعمر فی ترکۃ النبیؐ فسأل الخلیفۃ عند من الفدک بعدھما قال عند عثمان قال ثم عند من قال عند علی و ھکذا قال الخلیفۃ فای خصوصیۃ ابی بکر وعمر فسکت الرافضی الملعون فامر

حال یہ ہے کہ حضرت علی اور عثمان بھی شیخین کے طریقہ پر چلے۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ ایک شیعہ عباسی خلیفہ سفاح کے سامنے پیش ہوا اور فریاد کی کہ میں مظلوم ہوں میری داد رسی کیجئے۔ خلیفہ نے پوچھا تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے کہنے لگا ابوبکر اور عمر نے میراث نبوی کے معاملے میں مجھ پر ظلم کیا ہے خلیفہ نے پوچھا ابوبکر اور عمر کے بعد فدک کس کے پاس گیا کہنے لگا عثمان کے پاس پوچھا پھر؟ کہا علی کے پاس اسی طرح پے در پے جن جن کے پاس پہنچا۔ خلیفہ نے کہا پھر اس ظلم میں ابوبکر و عمر کی خصوصیت کونسی ہے شیعہ سائل لاجواب ہوگیا خلیفہ نے اس کا

الخليفة بقطع راسه فقطع۔
وقد تكلم شراح البخاري في حديث الباب وقال السيد السمهودي ان نزاع فاطمة لم يكن في تحصيل التركة و تملكها بل تولى الوقف (عرف شذى ص ۴۸۵)

سر قلم کرنے کا حکم دیا چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ فدک کی حدیث میں بخاری کے شارحین نے کلام کیا ہے۔ اور سید سمہودی نے کہا کہ حضرت فاطمہ کا مطالبہ ترکہ کے حصول اور ملکیت کے بارے میں نہیں تھا بلکہ وقف کی تولیت کے بارے میں تھا۔

خلیفہ سفاح نے مظلوم کی داد رسی جس شکل میں کی اس کے متعلق تعجب تو ہوتا ہے مگر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ

(۱) اس نے شیخین پر بہتان لگایا۔ اور انکی سیرت کو مجروح کیا۔
(۲) اس کے اپنے بیان کے مطابق حضرت علی بھی مجرم ٹھیرتے ہیں۔

اور یہ حرکت قتل سے کم نہیں اس لیے اس کا قصاص لیا گیا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فدک کے بارے میں شیخین پر بہتان لگا نا حضرت علی کو بھی اسی جرم کا مرتکب قرار دینا ہے۔ خواہ ان کا نام نہ لیا جائے۔ کیونکہ چاروں خلفاء کا رویہ اس سلسلے میں وہی رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی میراث

نبوت کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام دو حیثیتیں رکھتے ہیں اول ظاہری جو قالب ہے دوم باطنی جو قلب ہے۔ باطنی پہلو سے ملائکہ اور وحی کے ذریعے احکام خداوندی حاصل کرتے ہیں اور ظاہری حیثیت سے وہ احکام مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ ظاہر کے اعتبار سے وہ فرشی ہوتے ہیں اور باطن کے اعتبار سے عرشی ہوتے ہیں۔ فرشی کی حیثیت سے وہ انسانوں سے مشابہ ہوتے ہیں کھانا پینا، بیماری صحت اہل وعیال وغیرہ انسانی اوصاف ہیں اور عرشی ہونے کی حیثیت سے ملائکہ سے مشابہت رکھتے ہیں کہ ان کے قلوب پر نہ غفلت طاری ہوتی ہے نہ نیند۔ ان کے قلوب کا تعلق رب العالمین سے ہر وقت وابستہ رہتا ہے۔ اسی وجہ سے انہیں لامتناہی علوم نبوت کا خزانہ ملتا ہے۔ حب دنیا اور دولت دنیا کی غلاظت سے ان کے قلوب

ملوث نہیں ہوتے۔ اس عدم مشابہت کی وجہ سے ان کے قلوب غفلت معصیت اور مال و دولت کی محبت سے پاک ہوتے ہیں ایک دل میں دو متضاد محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ انبیاء کا خزانہ اور ان کی دولت علوم نبوت ہیں دنیوی مال و دولت سے ان کا تعلق عارضی اور وقتی ہوتا ہے جو محض حفاظت بدن اور اہل و عیال کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں نقل کیا گیا ہے۔

عن جبیر بن نفیر مرسلا قال قال رسول اللّٰہ ما اوحی الی ان اجمع المال و اکون من التاجرین ولکن اوحی الی ان سبح بحمد ربک و کن من الساجدین واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (ص ۴۴۳)

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ مال جمع کروں اور تاجروں میں شمار ہو جاؤں بلکہ مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد بیان کر اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کر۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سابقہ امتوں کی ہلاکت کا سبب دولت کی فراوانی تھی۔ دولت کے نشہ نے انہیں خدا سے دور کیا اور خدا نے انہیں عذاب میں مبتلا کیا۔ تو جو چیز اللّٰہ سے دور کرنے والی ہو وہ انبیاء کی میراث کیونکر بن سکتی ہے۔

مال کی ایک صورت ازواج مطہرات کے سکونتی مکان تھے۔ یہ امہات المؤمنین کی ذاتی ملکیت تھے۔ ان کی ملک میں ہبہ مع قبضہ دے گئے تھے جس کا قرآن مجید شاہد ہے۔

وقرن فی بیوتکن — اور اپنے گھروں میں ہی رہو

بیوت کی نسبت حضورؐ کی طرف نہیں بلکہ ازواج مطہرات کی طرف کی گئی ہے۔ قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت سے مسلمان بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ باجماع سنی و شیعہ ثابت ہے کہ قرب وفات کے وقت امام حسن نے حضرت عائشہ سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ روضۂ رسولؐ میں دفن کئے جائیں۔ یہ مطالبہ اسی وجہ سے تھا کہ وہ مکان حضرت عائشہ کی ذاتی ملکیت تھا۔

حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کے معاملے میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کفار بھی اس حقیقت سے واقف تھے کہ انبیاء علیہم السلام مال جمع نہیں کیا کرتے چنانچہ ملکہ نے حضرت سلیمان کی خدمت میں امتحاناً مال کثیر بھیجا تھا۔ انی مرسلۃ الیھم بھدیۃ فناظرۃ بم یرجع المرسلون۔

اور اس کے جواب میں حضرت سلیمان نے یہ فرمایا

اتمدونن بمال فما اٰتنی اللہ خیر مما اتاکم۔

لفظ میراث کے متعلق مختلف رائیں ظاہر کی گئی ہیں مثلاً

۱ - لفظ میراث مشترک ہے مال، علم اور منصب میں۔

۲ - میراث حقیقت لغوی ہے مال میں اور مجاز ہے علم میں۔

شیعہ حضرات کا مؤقف یہ ہے کہ وراثت مال میں حقیقت ہے اور علم میں مجاز ہے اور حقیقت کو ترک کر کے مجاز کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔

اہل السنت کہتے ہیں کہ یہ لفظ مشترک ہے مال، علم اور منصب میں علامہ آلوسی کہتے ہیں

لا نسلم کون المیراث حقیقۃ لغویۃ فی المال بل ھی حقیقۃ فیما یعم وراثۃ العلم و المنصب (ونحوہ) والمال وانما صارت لغلبۃ الاستعمال فی عرف الفقہاء مختصۃ بالمال کالمنقولات العرضیۃ ولو سلمنا ان المیراث مجاز فی العلم فھو مجاز متعارف مشہور خصوصا فی استعمال القرآن المجید بحیث یساوی الحقیقۃ۔

(روح المعانی ۱۷ : ۶۷)

وراثت کا حقیقت لغوی ہونا ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ حقیقت عام ہے جو علم، منصب اور مال کو بھی شامل ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ غلبۂ استعمال کی وجہ سے عرف فقہاء میں مال سے مختص ہو گئی ہے جیسے دوسری منقولات عرضیہ کا معاملہ ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ میراث مال میں حقیقت ہے اور علم میں مجاز ہے تو پھر بھی وہ مجاز متعارف و مشہور ہے بالخصوص استعمال قرآنی میں تو حقیقت کے مساوی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میراث کو مال سے مختص کرنا قرآن کے خلاف ہے مثلاً ارشاد ربانی ہے۔

۱۔ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا۔

۲۔ فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب

۳۔ ان الذین اورثوا الکتاب من بعدھم

ان آیات میں یہ لفظ علمی میراث کیلئے بولا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قبضہ ملکی پر بھی قرآن حکیم میں میراث کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسے

۱۔ ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ

۲۔ للہ میراث السمٰوٰت والارض

شیعہ کا استدلال یہ ہے کہ میراث کا لفظ مال مکتسب کیلئے بولا جاتا ہے جو وارث کو بلا کسب ملتا ہے اور علم کسبی چیز ہے مذکورہ بالا دو آیتیں اس استدلال کو رد کرتی ہیں۔ آیت اول کسب کے قصے کی تردید کرتی ہے لفظ میراث موجود ہے مگر کسب موجود نہیں دوسری آیت پر شجرہ کے استدلال کی روشنی میں غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ زمین و آسمان کسی اور ہستی کے مال مکتسب تھے۔ جس کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو بلا کسب وراثت میں ملے۔ کیا کوئی ذی ہوش انسان یہ سوچ سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وراثت کا لفظ اس چیز پر بولا جاتا ہے جو بلا قیمت اور بغیر احسان کے حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے۔

واستعمل لفظ الوراثۃ لکون ذلک بغیر ثمن ومنۃ

(مفردات ص ۵۴۰)

شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے شافی میں یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ لفظ میراث جب مطلق بولا جائے تو مراد مالی میراث ہوتی ہے اس اصول کو صاحب اصول کافی نے رد کیا ہے چنانچہ اصول کافی ص ۳۲ پر لکھا ہے۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان سلیمان ورث داؤد وان محمد اورث سلیمان۔	امام جعفر نے فرمایا حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے اور حضرت محمد حضرت سلیمان کے وارث ہوئے۔

یہاں لفظ ورث مطلق استعمال ہوا ہے اگر شریف مرتضیٰ کا استدلال درست ہے تو یہ بتایا جائے کہ حضرت سلیمانؑ سے صدیوں بعد حضور اکرمؐ کو ان کا کونسا مال ورثے میں ملا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد علوم نبوت اور منصب نبوت ہے حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام

کی علمی میراث پر متقدمین سنی اور شیعہ متفق ہیں بعد کے شیعہ نے انبیاء کی مالی میراث کا عقیدہ ایجاد کیا ہے۔ چنانچہ اصول کافی صـ باب العالم والمتعلم میں صاف لکھا ہے۔

۱۔ عن ابی عبداللہ قال قال رسول اللہ ان العلماء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔

امام جعفر نے فرمایا نبی کریم کا ارشاد ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے لیکن علم کا وارث بناتے ہیں جس نے علم حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کیا۔

۲۔ اصول کافی صـ باب صفت العلم:۔

عن ابی عبداللہ قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذلک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشئ منہ فقد اخذ حظا وافرا۔

امام جعفر فرماتے ہیں کہ علماء وارث ہیں انبیاء کے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ انبیاء کرام درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے۔ سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنی احادیث کا وارث بناتے ہیں پس جس نے حدیث سے کچھ لے لیا اس نے بڑا حصہ پالیا۔

۳۔ من لایحضرہ الفقیہ ۲ : ۳۴۶ حضرت علی نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

تفقہ فی الدین۔ فان الفقھاء ورثۃ الانبیاء۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکنھم ورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔

بیٹا! دین کا فہم حاصل کر حقیقت یہ ہے کہ فقہاء ہی انبیاء کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے لیکن علم کا وارث بناتے ہیں جس نے علم حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کیا۔

ان احادیث میں دو لفظ خاص طور پر قابل غور ہیں اول انما، جو کلمہ حصر ہے دوم ولکن، جو دفعہ وہم کے لیے ہے کیونکہ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما سے یہ وہم پیدا

ہو سکتا تھا کہ انبیاء کی کوئی میراث سرے سے ہوتی ہی نہیں اس لیے 'لکن' سے اس وہم کو دور کیا گیا کہ میراث تو ہوتی ہے مگر مالی نہیں بلکہ علوم نبوت اور ان کی احادیث یہاں ایک اور وہم پیدا کیا جاتا ہے کہ ہاں یہ درست ہے کہ نقدی درہم و دینار کی ہے۔ زمین مکان اور جائداد کی نفی نہیں مگر 'لکن' کے لفظ سے ہر قسم کے وہم کو دور کر دیا گیا اگر زمین مکان وغیرہ انبیاء کی میراث ہوتی تو کلام یوں ہونا چاہیے تھا ولکن اورثوا العلم والدار والارض والبساتین مگر حدیث میں ولکن اورثوا العلم کہہ کر بات صاف کر دی کہ علم کے بغیر کوئی اور میراث ہوتی ہی نہیں۔

پھر عربی زبان میں لفظ 'انما' حصر کے لیے بولا جاتا ہے یعنی اپنے متصل مابعد کو اس کے مابعد پر بند کر دیا ہے۔ اس لیے انما اور ثوا احادیث من احادیثہم میں میراث نبوت کو احادیث میں بند کر دیا یعنی میراث انبیاء ان کی احادیث کے علاوہ کوئی دوسری چیز سرے سے ہے ہی نہیں۔ ورنہ انما کا حصر باطل ہو گیا اور اس کا کوئی مطلب ہی نہ رہا۔

اس علمی جواب سے ہٹ کر اگر محض عقلی طور پر سوچا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ سونے چاندی کی نفی سے مراد دنیا کی ہر قسم کی دولت کی نفی ہے۔ یہی دو چیزیں دولت دنیا کی اصل ہیں۔ انہیں سے جائداد خریدی جاتی ہے۔ اور جائداد بیچ کر سونا چاندی حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے سونا چاندی کی نفی سے دنیوی دولت کی نفی ہو گئی۔ خواہ وہ جائداد غیر منقولہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیا سونا چاندی ہی دولت دنیوی ہیں اور مکان زمین جاگیر دولت اخروی ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو زمین اور جائداد کو دنیوی دولت سے مستثنیٰ کرنے کی آخر وجہ کیا ہے؟

ایک اور سوال اٹھایا جاتا ہے کہ علماء تو انبیاء کے علم کے وارث ہوتے ہیں مگر مال کے وارث ان کے قرابتدار ہوتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ انبیاء جب مالی میراث چھوڑتے ہی نہیں تو قرابتداروں کو مالی میراث ملے گی کیا؟ دوسری بات جو ذرا نازک ہی ہے کہ علوم نبوی جو جبریل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ملتے ہیں وہ تو لے جائیں اغیار اور قرابتداروں کے حصہ میں وہ چیز آئے جو گھٹیا۔ چند روزہ۔ خدا سے دور کرنے والی اور تباہی کی طرف لے جانے والی ہے۔ یہ تقسیم کا اصول خاندان نبوت کے مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔

اصول کافی کی احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ متقدمین شیعہ اس حقیقت پر ایمان رکھتے تھے کہ انبیاء کی مالی میراث کوئی نہیں ہوتی۔ بعد والوں نے ہنگامہ آرائی کیلئے اس میں ایک مٹی راہ نکال لی چنانچہ شیعہ محدث سید نعمت اللہ جزائری نے انوار نعمانیہ ۱ : ۳۳ پر لکھا ہے۔

ان الانبیاء من حیث النبوۃ لم یورثوا الا العلم واما من حیث الانسانیۃ والبشریۃ فیجوز ان یخلفوا شیئا من الاموال۔	یقیناً انبیاء باعتبار نبوت کے علم کے بغیر کسی چیز کا وارث نہیں بناتے مگر باعتبار بشریت کے مالی ورثہ چھوڑ جاتے ہیں۔

محدث صاحب کی نکتہ آفرینی قابل داد ہے مگر اس کے کئی پہلو قابل غور ہیں۔

(۱) محدث صاحب کا قول اصول کافی میں بیان کردہ احادیث کے مخالف ہے۔ اور اصول کافی امام غائب کی مصدقہ کتاب ہے۔

(۲) یہ نکتہ محدث صاحب کی ذاتی رائے ہے اور اصول کافی کی ایک روایت رسول خداؐ کی حدیث ہے جس کے راوی امام جعفر ہیں۔ دوسری روایت امام جعفر کا قول ہے۔ اور تیسری حضرت علی کا قول ہے۔ اس لیے اگر محدث صاحب کا مقام رسول خداؐ اور ائمہ معصومین سے بلند تر ہے تو اسے مان لو ورنہ اسے ٹھکرانا ہی پڑے گا۔

(۳) نبوت اور بشریت پر غور کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ بشریت پہلے تھی نبوت بعد میں ملی۔ اور بشریت پر نبوت کا غلبہ ہوگیا اور ایسا ہونا چاہیے تھا۔ اگر بشری اوصاف جو تابع نفس بشری ہیں بعد نبوت بھی باقی رہیں تو نبیؐ سے نفسانی خواہشات کے تحت گناہ کا صدور مثلاً زنا۔ چوری۔ قتل۔ جھوٹ۔ حرام کھانا۔ دھوکہ دینا۔ عبادت میں کوتاہی کرنا وغیرہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو مال جمع کرنا جو تابع نفس بشری ہے اسے کیوں تسلیم کیا جائے۔ اگر اول الذکر اوصاف نفسانی بدل گئے تو مال جمع کرنے کا نفسانی وصف کیوں نہ بدل گیا۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ اوصاف بشری بدل گئے اوصاف ملکی پیدا ہوگئے۔ مگر اوصاف کے بدلنے سے ذات اور ماہیت نہیں بدلی۔ نبی بشر ہوتا ہے اور بشر ہی رہتا ہے مگر

اس کے اوصاف بشری جو تابع نفس ہوتے ہیں بدل جاتے ہیں اس لیے جہاں دوسرے اوصاف بدلے وہاں مال جمع کرنے کا تابع نفس وصف بھی بدل گیا جب مال جمع کرنے کا وصف باقی نہ رہا تو مال پیچھے چھوڑ جانے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

متاخرین شیعہ نے اصول کافی کی روایات کا توڑ ایک اور نکال لیا کہ حدیث کے رواۃ میں ایک راوی ابوالبختری ہے اور وہ اکذب الناس ہے۔ اس لیے اس کی روایت کردہ حدیث بھی جھوٹی اور موضوع ہے قابل تمسک نہیں۔ صاحب فلک النجاۃ نے یہی بیان کیا ہے۔

یہ اصول تو درست ہے کہ راوی اکذب الناس ہو تو حدیث قابل تمسک نہیں ہوتی۔ مگر اس اصول کا اطلاق یہاں نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث اصول کافی میں پائی جاتی ہے اور اصول کافی کا مقام شیعہ دینیات میں یہ ہے:۔

(۱) یہ کتاب غیبت صغریٰ کے زمانے میں سفیروں کے ذریعے امام مہدی کے سامنے پیش کی گئی تھی اور امام نے اس کتاب کی تصدیق ان الفاظ میں کی کہ ھذا کاف لشیعتنا اس لیے خواہ راوی جھوٹا ہو اس کتاب میں درج شدہ روایت کی تصدیق جب امام نے کر دی تو اس کی تکذیب دراصل امام مہدی کی تکذیب ہے۔ اس لیے لوگ جو اصول کافی کی حدیث کی تکذیب کرتے ہیں وہ حقیقت میں امام مہدی کی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا جانے شیعہ امام معصوم کے انکار اور اس کی تکذیب کی جرأت کیسے کرتے ہیں۔

(۲) علامہ قزوینی نے اصول کافی کی حیثیت یوں بیان کی ہے۔

الحق کتاب کافی عمدہ کتب احادیث اہل بیت علیہم السلام است و مصنف آں ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق رازی کلینی کہ مخالفاں نیز اعتراف بکمال فضیلت او نمودہ اند از روئے احتیاط تمام آنرا در بست سال تصنیف کردہ در زمان غیبت صغریٰ حضرت صاحب الزمان علیہ وعلی آلہ صلوات الرحمٰن کہ شصت و نہ سال	حقیقت یہ ہے کہ "کافی" اہل بیت کی کتب احادیث میں سے عمدہ کتاب ہے اس کا مصنف ابوجعفر محمد بن یعقوب رازی کلینی ہے جس کے کمال کا اعتراف اس کے مخالف بھی کرتے ہیں نہایت احتیاط سے ۲۰ سال میں یہ کتاب مکمل کی غیبت صغریٰ کے زمانے میں جو ۶۹ برس تھا چار سفیروں کے ذریعے امام غائب سے لوگ بات چیت

بودہ و دراں زماں مومناں عرض مطلب می کردند بتوسط سفراء یعنی خبر آورندگان از آنحضرت و ایشاں چہار کس بودہ اند و بتر غیب ایشاں وکلائے بسیار بودہ اند کہ اموال از شیعہ امامیہ گرفتہ و می رسانیدند و محمد بن یعقوب در بغداد نزدیک بودہ و در سال فوت آخر سفرا ابوالحسن علی بن محمد السمری کہ سال سہ صد و بست و نو ہجری باشد فوت شدہ یا یک سال قبل ازاں پس می تواند بود کہ ایں کتاب مبارک بنظر اصلاح آں حجت خدا تعالیٰ رسیدہ باشد۔

(صافی شرح اصول کافی ۱ : ۴)

کرتے تھے۔ محمد بن یعقوب بغداد میں سفراء کے پاس رہتا تھا آخری سفیر ابوالحسن علی بن محمد السمری کا سال وفات ۳۲۹ھ ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب امام غائب کے پاس بتوسط سفرا بھیجی گئی انہوں نے اس کی اصلاح کی اس طرح یہ کتاب درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے دین میں سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۲) من لایحضرہ الفقیہ کی فارسی شرح کے مقدمہ میں فائدہ ۱۰ کے تحت اصول کافی کے متعلق لکھا ہے۔

دہم چنیں احادیث مرسلہ محمد بن یعقوب کلینی و محمد بن بابویہ قمی بلکہ جمیع احادیث ایشاں کہ در کافی و من لایحضرہ الفقیہ ہمہ را صحیح می تواند خواند زیرا کہ شہادت ایں دو شیخ بزرگوار کمتر از شہادت اصحاب رجال نیست یقیناً بلکہ بہتر است۔

اسی طرح محمد بن یعقوب کلینی اور محمد بن بابویہ قمی کی تمام احادیث جو کافی اور من لایحضرہ الفقیہ میں ہیں سب کو صحیح کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان دو مشائخ کی شہادت اصحاب رجال کی شہادت سے کم نہیں بلکہ یقیناً اس سے بڑھ کر ہے۔

اصول کافی کے متعلق ان دو عظیم گواہوں کی شہادت کافی ہے کہ اس کی کوئی حدیث غلط نہیں علامہ خلیل قزوینی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ محمد بن یعقوب کلینی خود امام غائب کو ملا ہے ان سے احکام سنے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے خود یہ کتاب امام کے پیش کی تصدیق کرائی۔

کتاب الفصل جزو اوّل صفحہ

وشاید ایں سہ قول را مصنف رحمہ اللہ خود از صاحب زماں شنیدہ باشد و ایں قصہ را معلوم کردہ شد وظاہر سیاق کلام مصنف درکتاب الی آخر ایں است کہ مصنف بخدمت او علیہ السلام رسیدہ باشد

شاید مصنف نے یہ تین قول امام غائب سے سنے ہوں گے اور یہ قصہ معلوم کرلیا ہوگا سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف خود امام غائب کی خدمت میں پہنچا ہے۔

مصنف اصول کافی کا یہ مقام کہ سفراء کے واسطہ کے بغیر خود امام غائب سے ملاقات کی اور کتاب اصول کافی کا یہ مقام کہ امام صاحب الزمان نے اس کی تصدیق کی مہر ثبت کردی پھر اس کتاب کی کسی حدیث کی تکذیب کرنا درحقیقت امام مہدی کی تکذیب کرنا ہے۔

شیعہ محدثین اور متکلمین نے رواۃ حدیث کے مقام اور مرتبہ کے تعین کے سلسلے میں ایک اصول مقرر کیا ہے۔ اسی اصول کے تحت ابوالبختری کی روایت تو صحیح چھوڑ راجح ثابت ہوتی ہے اس اصول کا ذکر انوار نعمانیہ ۲ ، ۴۴ ، ۴ میں ان الفاظ میں ہوا ہے۔

کما اتفق ذلک فی کثیر من خواص الائمۃ محمد بن سنان وجابر جعفی ممن اتھمھم اھل الرجال بالغلو وارتفاع القول وذلک لان الائمۃ علیھم السلام القوا الیھم من اسرار علومھم مالم یحدثوا غیرھم من الشیعۃ فاستغرب الشیعۃ تلک الاخبار لعدم موافقۃ غیرھم لھم علی روایتھم فطعنوا علیھم بھذا السبب وھذا السبب ھو سبب رفعتھم وعلو درجاتھم عند موالیھم فما فیہ الجرح فھو الذی

جیسا کہ یہ چیز ائمہ کے بہت سے خواص میں واقع ہوئی ہے جیسے محمد بن سنان جابر جعفی جن کو علمائے رجال نے غلو اور ارتفاع قول کے ساتھ متہم کیا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ائمہ نے ان راویوں کو اپنے علوم کے ایسے اسرار بتائے تھے۔ جو ان کے بغیر کسی شیعہ کو نہیں بتائے تھے۔ شیعہ نے ان باتوں کو عجیب سمجھا کیونکہ وہ دوسروں کے اقوال کے مطابق نہیں تھیں اس وجہ سے ان پر طعن کیا۔ مگر یہی طعن ائمہ کے دوستوں کے نزدیک ان کی رفعت اور بلندی درجات کا سبب ہے۔ پس جس حدیث میں ان کی

فيه المدح و قد حققنا هذا المقام فی شرح علی الاستبصار ۔

جرح یا قدح یا ذم بیان ہُوا در حقیقت وہی ان کی مدح ہے جیساکہ ہم نے شرح استبصار میں اس کی تحقیق کی ہے ۔

رجال کشی میں یہ اصول ذرا وضاحت سے بیان ہُوا ہے ۔

عن عبد الله بن زرارة قال قال لی ابو عبد الله اقرأ منی علی والدك السلام وقل له انی انما اعيبك دفاعا منی عنك فان الناس والعدو يسارعون الی كل من قربناه وحمدنا مكانه لادخال الاذی فی من نحبه ونقربه ويرمونه بمحبتنا له وقربه ودنوه منا ويرون ادخال الاذی عليه وقتله ويحمدون كل من عبناه نحن فانما اعيبك لانك رجل اشتهرت بنا وبميلك الينا وانت فی ذلك مذموم عند الناس غير محمود الاثر بمودتك لنا وميلك الينا فاحببت ان اعيبك ليحمدوا امرك فی الدين بعيبك ونقصك ويكون بذلك منا دافع شرهم عنك يقول الله تعالی اما السفينة فكانت لمساكين يعملون فی

ابن زرارہ سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے مجھے فرمایا کہ اپنے والد کو میرا سلام کہنا اور اسے کہنا کہ میں تیری مدافعت کے لیے تجھ پر عیب لگاتا ہوں کیونکہ عام لوگ اور دشمن اس شخص پر جھپٹتے ہیں جو ہمارے قریب ہو یا ہم اس کی تعریف کریں ۔ ہم جس سے محبت کرتے ہیں یہ لوگ اسے ایذا دینے اور قتل کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں اور ہم جس کے عیب بیان کرتے ہیں اسے یہ لوگ اچھا سمجھتے ہیں ۔ میں صرف اسی وجہ سے تیرے عیب بیان کرتا ہوں کہ تو ہماری محبت اور ہماری طرف قلبی میلان کے سلسلے میں مشہور ہو چکا ہے اس لیے لوگ تجھے بُرا سمجھتے ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرے عیب بیان کروں تاکہ لوگ تیری تعریف کریں اور تجھے دینی اعتبار سے اچھا سمجھیں یہ چیز تمہیں ان کے شر سے بچانے کا کام دے گی ۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ کشتی مسکینوں کی تھی جو سمندر میں مزدوری کرتے تھے ۔ میں نے چاہا اسے عیب دار بنا دوں الخ الخ

البحر فسادت ان اعيبها الى ان قال فافهموا لمثل يرحمك الله فانك احب الناس الى واحب اصحاب ابى حيا وميتا فانك افضل السفن ذلك البحر القمقام الزاخر وان من ورائك ملكا ظلوما غصوبا يرقب عبور كل سفينة صالحة ترد من بحر الهدى ليأخذها غصبا ۹۲

تجھ پر رحم کرے خوب سمجھ لے کہ تو بھی اسی کی مانند ہے تو میرا اور میرے اصحاب کا محبوب ہے۔ زندگی میں بھی اور بعد موت بھی۔ تو اس بحر مواج میں بہترین کشتی ہے اور تیرے پیچھے ایک ظالم بادشاہ لگا ہوا ہے جو ہر ایک کشتی کی تاک میں بیٹھا ہے جو ہدایت کے سمندر میں وارد ہوتی ہے تاکہ اس پر غاصبانہ قبضہ کر لے۔

زرارہ کے بیٹے کے ہاتھ امام نے جو پیغام زرارہ کے نام بھیجا ہے۔ اس میں ابہام ہے دوسری روایت میں لفظ اعیبہا کی تفصیل بیان ہوئی ہے مثلاً رجال کشی ص۹۹۔۹۸ امام جعفر فرماتے ہیں۔

كذب علی والله كذب علی لعن الله زرارة لعن الله زرارة لعن الله زرارة۔

مجھ پر جھوٹ باندھا ہے خدا کی قسم مجھ پر جھوٹ باندھا ہے اللہ زرارہ پر لعنت کرے لعنت کرے لعنت کرے۔

پھر اسی کے ص۱۰۲ پر لکھا ہے۔

عن ابی عبد الله علیه السلام قال (الراوی) دخلت علیه فقال متى عهدك بزرارة قال قلت ما رأيته منذ ايام قال لا تبال وان مرض فلا تعده وان مات فلا تشهد جنازته قال قلت متعجبا مما قال نعم زرارة شر من اليهود والنصارى ومن قال ان مع الله ثالث ثلاثة۔

راوی کہتا ہے میں امام جعفر کے پاس گیا پوچھا زرارہ سے کب ملاقات ہوئی میں نے کہا کئی روز سے نہیں دیکھا فرمایا کچھ پروا نہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت نہ کرنا۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازہ میں شریک نہ ہونا۔ میں نے تعجب سے پوچھا کس کی بات کر رہے ہیں فرمایا ہاں زرارہ کی بات ہے وہ یہود و نصاریٰ سے برا ہے اور تین خدا ماننے والوں سے بھی برا ہے۔

پھر اسی رجال کشی کے صفحہ ۱۰۶ پر

قال (زرارہ) قلت التحیات والصلوۃ قال التحیات والصلوۃ فلما خرجت ضرطت فی لحیتہ وقلت لا یفلح ابدا۔

زرارہ کہتا ہے میں نے امام سے کہا التحیاۃ والصلوۃ۔ فرمایا التحیاۃ الخ جب میں باہر نکلا تو میں نے امام کی داڑھی میں پاد مارا اور کہا خدا تجھے کبھی فلاح نہ دے۔

پھر اسی کے صفحہ ۱۰۷ پر ہے۔

قال زرارہ ۔ ۔ ۔ قال لیس من دینی ولا من دین آبائی۔

امام نے فرمایا زرارہ نہ میرے دین پر ہے نہ میرے آباء کے دین پر ہے۔

اور حق الیقین صفحہ ۴۲۲ پر ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ زرارہ اور ابو بصیر دونوں شیعہ کے نزدیک اجماعی کافر ہیں۔ اور امام جعفر نے بروایت رجال کشی زرارہ کو ملعون اور دین ائمہ سے خارج قرار دیا۔ یہ اعیبلث کی تفصیل ہے تو اس کا ملعون ہونا، کافر ہونا یہود و نصاریٰ سے بدتر ہونا دراصل اس کے فضائل ہیں جو عیب کے پردے میں بیان ہوئے ہیں۔ اور لطف یہ ہے دین شیعہ کا قریباً ۹/۱۰ حصہ اسی زرارہ اور ابو بصیر کی روایات پر مبنی ہے۔ جب ان اجماعی کافروں کی روایات قابل قبول ہی نہیں بلکہ سر آنکھوں پر تو ابوالنخری کے ایک وصف اکذب البریہ کی وجہ سے اس کی روایت کو رد کیوں کیا جائے۔ کیا اس وجہ سے کہ اسے کافر اور ملعون نہیں کہا گیا اس لیے وہ زیادہ ثقہ نہیں؟ مگر اکذب البریہ کے وصف کو بھی معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

یہاں ایک بات ذرا عجیب معلوم ہوتی ہے کہ جب زرارہ کو علم تھا کہ عیب کے پردے میں اس کی تعریف ہو رہی ہے تو امام کی داڑھی میں پاد کیوں مارا۔ ممکن ہے یہ ظاہر کرنا ہو کہ اسے امام سے محبت ہے۔ اور یہ حرکت گویا عطر چھڑکنے کے مترادف ہو، اور لا یفلح ابدا سے علو شان کا اظہار ہو۔

اس اصول کا ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے کہ مخالفوں اور دشمنوں کے سامنے تو ان محبوب ہستیوں کے عیب بیان کرنا ان کے بچاؤ کی خاطر ہو سکتا ہے لیکن اپنوں کے سامنے ایسا

بیان آخر کیا معنی رکھتا ہے۔

حاصل یہ کہ اصول کافی کی احادیث واضح کرتی ہیں کہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی اور اصول کافی کی کسی حدیث کا انکار ائمہ کا انکار ہے۔ ایک ابوالبختری کا معمولی سا عیب کہ الکذب البریہ ہے کی حیثیت کو کم نہیں کر سکتا۔

قرآن حکیم اور وراثت انبیاء

شیعہ حضرات ذیل کی آیات قرآنی انبیاء کی مالی میراث کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) یوصیکم اللہ فی اولادکم۔

(۲) ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون۔

(۳) وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون۔

(۴) وورث سلیمان داؤد

(۵) رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔

اصولاً ان آیات سے انبیاء کی مالی میراث ثابت نہیں ہوتی کیونکہ

(۱) جس بات پر کفر و ایمان کا مدار ہوتا ہے اس کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہے جس دلیل میں کئی احتمال ہوں وہ دلیل نہیں بن سکتی۔

(۲) دعویٰ خاص ہے۔ کہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی۔ اور ان آیات میں دلیل عام ہے دلیل عام مستلزم دعویٰ خاص کو نہیں ہے۔ دعویٰ خاص کے لیے دلیل خاص لازمی ہے۔

(۳) پہلی تین آیات میں انبیاء کا ذکر نہیں مال کا ذکر ہے باقی میں انبیاء کا ذکر ہے مال کا ذکر نہیں۔ اس لیے یہ آیتیں دعویٰ خاص کی دلیل نہیں بن سکتیں۔

(۴) یوصیکم اللہ میں خطاب امت کو ہے رسول خدا کو نہیں اس لیے اصول کافی وغیرہ میں عدم میراث انبیاء کی حدیث از قبیل تعین خطاب ہے مخصص خطاب نہیں۔ اور اگر مخصص مان لیں تو بھی ایک پہلو سے درست ہے۔ کیونکہ آیت عام مخصوص البعض ہے۔ مثلاً اولاد کا ذکر کو میراث نہیں ملے گی۔ قاتل وارث نہ ہوگا۔ مرتد وارث نہ ہوگا۔

ان تمام صورتوں میں آیت تخصیص پا چکی ہے۔ تو انبیاء کی میراث میں تخصیص مان لینے میں کیا مانع ہے۔

(۵) آخری دو آیتوں میں مطلق میراث کا ذکر ہے مالی میراث کا ذکر نہیں اگر یہ کہا جائے کہ آیت میں ورث یرث کے الفاظ سے مالی میراث ثابت ہوتی ہے کیونکہ وراثت مال میں حقیقت ہے اور علم میں مجاز ہے تو اس کی تحقیق گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ پھر ورث سلیمان میں حضرت سلیمان کے وارث ہونے کی خبر ہے جو ان کی تعریف اور مدح کی آئینہ دار ہے۔ اگر وراثت مالی لیں تو اس میں مدح کا کوئی پہلو نہیں۔ کیوں کہ تمام انسان اس میں شریک ہیں اس لیے مال کا وارث ہونا نہ کوئی کمال ہے نہ تعریف کا مقام اس بنا پر یہ تعریف لغو ہوگی اور کلام الٰہی لغو سے پاک ہے۔

پھر یہ کہ حضرت داؤد کے ۱۹ بیٹے تھے ناسخ التواریخ ۱: ۲۷۰ پر ان سب کے نام درج ہیں مالی میراث میں سب بیٹے شریک ہوئے تھے پھر حضرت سلیمانؑ کا خصوصیت سے ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت کا باقی حصہ مالی میراث کی تردید کرتا ہے کہ وقال یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر اور صاف ظاہر ہے کہ یہ میراث علم اور منصب کی تھی۔

اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو حضرت داؤد کی زندگی میں ہی علم مل گیا تھا پھر ان کے بعد علم کے وارث کیونکر بنے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم تو بیشک مل گیا تھا مگر نبوت اور منصب والد کے بعد ملے۔

اگر اس صراحت کے باوجود اسے مالی میراث ہی قرار دیں تو حضرت داؤد کی دولت کا جائزہ لینا پڑے گا دیکھنا یہ ہے کہ جو شخص زرہیں بنا کر اپنا گذر اوقات کرے وہ کتنا ترکہ چھوڑ سکتا ہے جس کے لیے قرآن حکیم میں خاص اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے۔ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ جب وہ مال آیا تو انہوں نے اسے کہاں کھپایا کیونکہ وہ ٹوپیاں بنا کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مفسرین لکھتے ہیں کہ میراث میں گھوڑے ملے تھے تو ظاہر ہے کہ وہ گھوڑے حکومت کے تھے جن پر حضرت سلیمانؑ کا تصرف

مالکانہ نہیں بلکہ متولیانہ تھا۔

حضرت سلیمانؑ کی معاش کے متعلق ایک شیعہ مترجم قرآن علامہ حسین نے دو صنالوا دُد سلیمان کی تفسیر میں لکھا ہے :۔

با وجود آں ملک و سلطنت زنبیل بافتہ بجہت او معاش خود در حصیر خواب کردے و لحظہ از یاد خدا غافل نہ بودے	اس وسیع حکومت کے باوجود اپنی معاش کے لیے زنبیل بنتے اور چٹائی پر سوتے تھے اور ایک لحظ میں یاد خدا سے غافل نہ ہوتے تھے۔

اگر بقول شیعہ قرآن نے مالی میراث کا ذکر کیا ہے۔ تو وہ کتنی تھی اور کہاں گئی جسے میراث ملی اس کا حال یہ ہے کہ ٹوکریاں بنا کر پیٹ پالتا ہے اور رات چٹائی پر بسر کرتا ہے۔

آیت کی تفسیر صافی ۲ : ۳ ، پر یوں کی گئی ہے۔

د ورث سلیمان داؤد والملک والنبوۃ۔ حضرت سلیمانؑ کو حضرت داؤد سے ملک اور نبوت ورثہ میں ملے۔

شیعہ شارحین حدیث نے اس آیت کے متعلق لکھا ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال ان سلیمان ورث داؤد وان محمد ورث سلیمان وانا ورثنا محمد اوان عندنا علم التوراۃ والانجیل والزبور	امام جعفر سے روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو حضرت داؤد کی وراثت ملی اور حضرت محمدؐ کو حضرت سلیمانؑ کی روایت ملی اور ہم حضرت محمدؐ کے وارث ہوئے ہمارے پاس توراۃ، انجیل زبور کا علم ہے۔

(صافی شرح اصول کافی ۱: ۱۴۹)

اور شرح صافی :۔

گفت امام جعفر صادق بدرستیکہ سلیمان بمیراث گرفت علم را از داؤد چنانچہ اللہ تعالیٰ گفتہ در سورۃ نمل د ورث سلیمان داؤد بدرستیکہ محمد بمیراث برد علم را از سلیمان و بدرستیکہ ما اہل بیت محمد بمیراث برد علم را از محمدؐ

اور صافی شرح اصول کافی ۱ : ۱۱ پر ہے۔

قال ابو جعفر انا خزان الله فی سمائه وارضه لا علی ذهب ولا فضة الا علی علمه

امام فرماتے ہیں ہم زمین وآسمان میں اللہ کے خزانے ہیں سونے چاندی کے نہیں بلکہ علم کے خزانے۔

شرح صافی :-

ما ہر آئینہ خازنان اللہ تعالٰی در آسمان او زمین او نہ بر طلا و نہ نقرہ بلکہ بر علم او کہ نزد حاملان وحی از ملائکہ است ونزد انبیاء علیہم السلام ورسل است

شیعہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں حکومت اور نبوت کو ذکر کیا ہے اور شیعہ محدثین نے امام جعفر کا قول نقل کیا ہے کہ یہ وراثت علوم نبوت کی ہے امام کے مقابلے میں کوئی محقق یا مجتہد خواہ وہ کس پایہ کا ہو کیا حقیقت رکھتا ہے۔

آیت ۶ ایک دعا ہے اور مالی وراثت تو دعا کے بغیر ہی بیٹے کو ملتی ہے۔ لہٰذا حضرت یعقوبؑ کی دعا کے الفاظ یرثنی سے مراد علم و نبوت کیلئے وارث کی درخواست ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ دعا تو قبول ہو گئی مگر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت زکریاؑ کے درمیان کوئی دو ہزار سال کا فاصلہ ہے یہ بُعد زمانی بھی مالی میراث کی تردید اور علمی میراث کی تائید کرتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر کتب شیعہ میں یوں ملتی ہے۔

(۱) درۃ النجفیہ شرح نہج البلاغہ ۱ : ۶۴ :-

وقیل اراد منصب الخلافة ویصدق علیه لفظ الارث کما صدق فی قوله تعالی حکایة عن زکریا علیه السلام یرثنی ویرث من آل یعقوب فانه اراد یرث علمی ومنصبی فی النبوة فکانه اسم المیراث صادقا علی ذلك۔

کہا گیا ہے کہ مراد منصب خلافت ہے اور خلافت پر میراث کا لفظ صادق آتا ہے جیسا کہ قرآن میں حضرت زکریاؑ کے متعلق بیان ہے یرثنی الخ مراد میراث علمی اور منصب نبوت ہے گویا میراث کا لفظ اس پر صادق آتا ہے۔

(۲) الصافی شرح اصول کافی ۱۱: ۲۹ جزو سوم حصہ دوم۔

ثم مات زکریا علیہ السلام فورثہ ابنہ یحیی الکتاب والحکمۃ و هو صبی صغیر اما تسمع لقولہ تعالی عزوجل یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ وآتیناہ الحکم صبیا۔

پھر زکریا فوت ہو گئے اور ان کے بیٹے یحییٰ کتاب و حکمت کے وارث ہوئے جبکہ وہ کم سن بچے تھے۔ کیا تو نے اللہ کا فرمان نہیں سنا کہ اے یحییٰ کتاب کو مضبوط پکڑ اور ہم نے اسے بچپن میں حکمت دی تھی۔

شرح صافی :-

بعد ازاں مرد زکریا۔ پس میراث برد وراے یحییٰ پسرش کہ آخر اوصیائے موسیٰ بود علم کتاب تورات۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ آج کے شیعہ جن آیات قرآنی سے انبیاء کی مالی میراث ثابت کرتے ہیں، متقدمین شیعہ اور ائمہ نے یہی آیات انبیاء کی علمی میراث اور منصب نبوت کے لیے پیش کی ہیں۔ یعنی متاخرین شیعہ نے ائمہ کی مخالفت کرتے ہوئے قرآن مجید میں معنوی تحریف کر کے اپنے ایجاد کردہ عقیدہ کو مستند قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے ائمہ کے عقیدہ پر رہتے تو فدک کا مصنوعی قضیہ کھڑا کرنے اور اس کے لیے بناوٹی دلائل تیار کرنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت فاطمہؓ کا مکالمہ

حدیث فدک بخاری میں چار مقامات پر بیان ہوئی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے جب صدیق اکبرؓ کے سامنے فدک کی بات چھیڑی تو خلیفہ رسول نے انہیں حضورؐ کی ایک حدیث سنائی اور اس حدیث پر عمل کرنے کے سلسلے میں اپنی طرف سے یہ کہا

لا ادع امرا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنعہ فیہ الا صنعتہ۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

میں نے حضور اکرمؐ کو جس طریقے سے کوئی کام کرتے دیکھا اس طریقہ کو میں نہیں چھوڑوں گا۔

لست تارکا شیئا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعمل بہ الا عملت بہ فانی اخشی ان ترکت شیئا من امرہ ان اضیغ

میں وہ کام نہیں چھوڑوں گا جو رسول کریمؐ کرتے تھے۔ میں صرف اسی پر عمل کروں گا۔ اگر میں حضورؐ کے کسی حکم کو چھوڑوں تو مجھے ڈر ہے کہ گمراہ ہو جاؤں گا۔

صدیق اکبرؓ کے جواب سے ظاہر ہے کہ آپ نے وہی کچھ کیا جو ایک سچا مومن قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں کر سکتا ہے اور کرنا چاہیے۔ مثلاً

۱۔ ماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔

۲۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

۳۔ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم

یعنی حضورؐ کے فیصلے کو تہ دل سے تسلیم کرنا اور اس کی مخالفت کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ حضرت ابو بکرؓ کے متعلق تو ایک سچے مومن کا رویہ ریکارڈ پر آگیا۔ مگر دوسری طرف حضرت فاطمہؓ کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے اور پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ دیکھنا یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے قرآن حکیم کی یہ آیات یا اسی مضمون کی دوسری آیات پڑھی ہونگی یا نہیں؟ پڑھی ہوں گی تو ان کا مفہوم بھی سمجھا ہوگا یا نہیں؟ اگر سمجھا ہوگا تو اس حکم کی تعمیل کی ہو گی یا نہیں۔ اگر کہیں کہ تعمیل نہیں کی تو یہ حضرت فاطمہؓ کے مقام سے ناواقفیت بلکہ ان کی توہین ہے۔ اگر کہیں کہ تعمیل کی تو اس کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ آدمی جتنا غور کرے اس کے بغیر کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ جب ان کے مطالبہ کے جواب میں ابو بکر صدیقؓ نے اپنا کوئی فیصلہ نہیں سنایا بلکہ نبی کریمؐ کی حدیث سنا دی۔ اپنی طرف سے صرف اتنا کہا کہ مجھے اس حدیث پر عمل کرنا ہے۔ اور فاطمہ اس جواب سے ایسی مطمئن ہو گئیں کہ عمر بھر اس مسئلہ کا ذکر تک نہیں کیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے لا ادع امرا کہہ کے جس رویہ کی طرف اشارہ کیا

ہے وہ کیا تھا شرح نہج البلاغہ اور علامہ میثم بحرانی صہ ۱۰۷ پر اس کی تفصیل دی گئی ہے۔

كان رسول الله يأخذ من فدك قوتكم ويقسم الباقي ويحمل منه في سبيل الله ولك على الله ان اصنع بها كما يصنع فرضيت بذلك واخذت العهد عليه به وكان يأخذ غلتها فيدفع اليهم منها ما يكفيهم ثم فعلت الخلفاء بعده كذلك الى ان ولى معاوية ـ

(صدیق اکبرؓ نے فرمایا) کہ رسول کریم فدک کی آمدنی سے آپ اہل بیت کا خرچ الگ کر لیتے تھے جو آپ کے لیے کافی ہوتا تھا۔ باقی مساکین پر یا جہاد کی تیاری پر صرف کرتے تھے اور اللہ کی رضا کیلئے آپ کا مجھ پر حق ہے کہ میں فدک میں وہی طریقہ اختیار کروں جو حضورؐ کرتے تھے یہ سن کر حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں اور صدیق اکبرؓ سے ایسا کرنے کا عہد لیا پھر آپ نے اپنے عہد میں اہل بیت کو اسی طرح سال کا خرچ دیتے رہے ان کے بعد خلفاء نے بھی وہی طریقہ جاری رکھا حتیٰ کہ امیر معاویہ کا زمانہ آگیا۔

علامہ میثم شارح نہج البلاغۃ نے وضاحت کر دی کہ :۔

(۱) فدک کی آمدنی کی تقسیم جس طرح حضور اکرمؐ کرتے تھے حضرت ابو بکرؓ نے وہی طریقہ جاری رکھنا چاہا۔

(۲) حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ آپ مجھے حضورؐ کا طریقہ جاری رکھنے دیں۔

(۳) حضرت فاطمہؓ اس پر راضی ہو گئیں اور حضرت ابو بکرؓ سے اس پر قائم رہنے کا عہد لیا۔

(۴) حضرت ابو بکرؓ اس عہد پر قائم رہے اور ان کے بعد تمام خلفائے راشدین اسی عہد پر قائم رہے اور فدک کی آمدنی بالکل اسی طرح تقسیم کرتے رہے جیسے حضورؐ کرتے تھے۔

نہج البلاغہ کی ایک اور شرح درۃ النجفیہ میں صہ ۳۳۱ پر بعینہ یہی عبارت ہے اور سید علی نقی نے شرح نہج البلاغہ ۵ : ۹۶۰ پر اسی طرح حضرت فاطمہ کی رضامندی کا ذکر کیا ہے۔

الدحق الیقین صہ ۲۳۲ پر ملا باقر مجلسی نے ایک اور بات کا ذکر بھی کیا ہے کہ :۔

جب حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کی اور یہ فتنہ فرو ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ ـ

آپؐ اور عمرؓ کی سفارش کی پس فاطمہؓ اس پر راضی ہوگئیں"

اب شیعہ کتب کے علاوہ دوسری کتب سے چند اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔

(۱) تفسیر کبیر للرازی ۳ : ۵۷

والجواب ان فاطمہ علیہا السلام رضیت بقول ابی بکر بعد ھذہ المناظرۃ وانعقد الاجماع علی صحۃ ما ذھب الیہ ابوبکر فسقط ھذا السؤال

اور جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ اس مکالمہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے راضی ہوگئیں اور ابوبکرؓ کے قول پر اجماع ہوگیا اور شیعوں کا یہ سوال ساقط ہوگیا۔

(۲) ریاض النضرۃ مصری ۱ : ۱۵۶ :-

عن عامر قال جاء ابوبکر الی فاطمہ وقد اشتد مرضہا فاستأذن علیہا فقال لہا علی ھذا ابوبکر علی الباب یستأذن فان شئت ان تأذنی لہ قالت وذالک احب الیک قال نعم فدخل فاعتذر الیہا وکلمہا فرضیت عنہ۔

(۳) ریاض النضرۃ ۱ : ۱۵۷ :-

وعن الاوزعی قال بلغنی ان فاطمۃ بنت رسول اللہ غضبت علی ابی بکر فخرج ابوبکر حتی قام علی بابہا فی یوم حار ثم قال لا ابرح مکانی حتی ترضی عنی بنت رسول اللہ فدخل علیہا علی فاقسم علیہا لترضی فرضیت اخرجہ ابن السمان فی الموافقۃ

امام اوزاعی فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت فاطمہؓ جب ابوبکرؓ سے رنجیدہ ہوئیں ابوبکرؓ گھر سے نکلے ان کے دروازے پر جا پہنچے سخت گرمی کا دن تھا۔ فرمایا میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا جب تک فاطمہؓ راضی نہیں ہوتیں حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو قسم دی کہ راضی ہوجائیں چنانچہ وہ راضی ہوگئیں۔

(۴) فیض الباری :-

روی البیهقی عن الشعبی قال لما مرضت فاطمة
اتاها ابوبکر فاستاذن علیها قال علی یا فاطمة هذا
ابوبکر یستاذن علیک فدخل علیها ثم ترضاها حتی
رضیت ان الشعبی سمعه من علی رضی اللہ عنہ

۵۔ کتاب الخمس ابی حفص بن شاہین بیان کرتا ہے۔

دخل ابوبکر علی فاطمة بنت رسول اللہ
فما قام ابوبکر حتی رضیت۔

ان روایات سے حضرت فاطمہؓ کے راضی ہونے کے علاوہ ان کے باہمی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) یعنی حضرت فاطمہؓ کا بیمار ہونا اور حضرت ابوبکرؓ کا عیادت کیلئے آنا۔ باہمی خلوص اور عقیدت کا اظہار ہے۔

(۲) حضرت فاطمہؓ کا انہیں اندر آنے کی اجازت دینا ان کے دل کی صفائی اور خلیفہ رسول کی قدر و منزلت کا اظہار کرتا ہے۔

(۳) حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ کے اس فعل کو پسند کرنا ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علیؓ کے دل میں حضرت ابوبکرؓ کی قدر و منزلت تھی۔

ایسے تعلقات تو صرف اپنوں کے درمیان ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے درمیان جو ایک دوسرے سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ دشمن تو ایسے موقع پر نہ عیادت کیلئے آتے ہیں نہ ایک دوسرے کو ملنا چاہتے ہیں۔

ان روایات کی حیثیت اہل فن کے نزدیک یہ ہے

البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۵ : ۲۸۹ میں رضامندی فاطمہ کی روایت کو قوی اور سند جید سے بیان کیا ہے۔ اور طبقات ابن سعد ۸ : ۲۷ میں مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۲ : ۴۵ تا ۴۶ سیرۃ حلبیہ کی روایت جو امام اوزاعی سے آئی اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ فیض الباری میں امام شعبی کا خود حضرت علیؓ سے رضامندی حضرت فاطمہؓ کو بیان کرنا

لکھا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام شعبی کی روایت کو صحیح فرمایا ہے۔

صاحب درۃ النجفیہ، علامہ میثم بحرانی، سید علی نقی وغیرہ متقدمین شیعہ علماء نے صاف ذکر کیا ہے کہ فرضیت فاطمہؓ۔ مگر زمانہ حال کے شیعہ علماء نے اہل حدیث پر دو اعتراض کیے مولوی محمد اسماعیل نے اخبار صداقت میں اور مولوی محمد منظور نے توثیق منظوری میں لکھا ہے کہ:

۱ - بائے موحدہ جب رضا کا صلہ ہو تو رضا بمعنی قناعت ہوتی ہے یہاں فرضیت بذالک ہے اور رضا اور قناعت مختلف چیزیں ہیں۔

یہ بات بظاہر وزنی معلوم ہوتی ہے مگر اہل لغت اس کی تائید نہیں کرتے مثلاً

لسان العرب ۸ : ۲۹۷

قنع بنفسہ قنعا و قناعۃ

القاموس ۳ : ۲۱۲

القناعۃ الرضا بالقسم قناعت تقسیم سے راضی ہونے کا نام ہے۔

منتہی الارب ۲ : ۵۵۶

قناعت کسابت - خورسندی۔

اہل لغت کے علاوہ قرآن مجید اس اعتراض کی تائید نہیں کرتا۔

لا یرجون لقاءنا و رضوا بالحیاۃ الدنیا واطمانوا بہا یہاں رضا کا صلہ 'با' ہے مگر مطلب رضا اور اطمینان ہے وہ قناعت نہیں جس میں مجبوری شامل ہو۔

پھر شیعہ لٹریچر میں اس کی تردید میں مثالیں ملتی ہیں۔

مثلاً ناسخ التواریخ جلد سوم از کتاب دوم صفحہ ۷۷ پر حضرت علیؓ کے خطبہ میں یہ مصرعہ موجود ہے۔

وانا راضی بحجۃ اللہ علیہم وعلمہ فیہم — ومن بحجت خدا و امر او در حق ایشاں خوشنودم

آگے اسی کتاب کے صفحہ ۱۲ پر ہے

وساقہم الشیطان لطلب ما لا یرضی اللہ بہ	شیطان انہیں اس چیز کی طلب میں لیے پھا جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے۔

دونوں مقامات پر رضا کا صلہ با ہے مگر معنی رضا ہی کے ہیں قناعت کے نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بحرانی کی روایت بصیغۂ مجہول رُوی سے بیان ہوئی ہے اور یہ دلیل ضعف کی ہے۔

یہ محض دعویٰ ہے جو اصول حدیث کے خلاف ہے۔ شیعہ مذہب یہ ہے کہ صیغۂ مجہول روایت و حدیث کے غیر مشہور ہونے کی دلیل ہے ضعف کی دلیل نہیں۔ اس پر سب شیعہ متفق ہیں کہ جو حکم یا حدیث مشہور ہے ظاہر ہے وہ غلط ہے اور جو غیر مشہور ہے زاویہ تقیہ اور کتمان میں ہے وہ حق ہے۔ دیکھو اصول کافی باب التقیہ والکتمان۔

اس لیے شیعہ اصول کے مطابق اس روایت کو ضعیف نہیں کہہ سکتے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام نے تقیہ کر کے یا کتمان حق کر کے یا راوی نے ایسا کر کے بصیغۂ مجہول بیان کی ہے اس اصول کی شہادتیں واقعات سے ملتی ہیں۔

(۱) حضرت علیؓ نے خلفائے ثلثہ کی بیعت تقیہ کر کے کی تھی اس لیے ظاہر تو باطل تھا مگر اندر عقیدہ حق تھا۔

(۲) حضرت علیؓ نے خلفائے کی اقتدا میں نماز پڑھی اس لیے ظاہر نماز باطل دل کے اندر جو کچھ تھا وہ حق تھا۔ آگے یہ سلسلہ حضرت امام حسن اور امام حسین کا امیر معاویہ کے عہد تک جاری رہا۔ کہ ان حضرات کے ظاہری حالات باطل تھے اور باطن حق تھا۔ اسی طرح یہ روایت تقیہ کر کے بیان ہوئی ہے شیعہ کے خوف کی وجہ سے واضح کر کے بیان نہیں کی۔

اس روایت پر ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ علامہ میثم بحرانی نے یہ روایت ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ سے نقل کی ہے اور اس نے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری مصری کی کتاب سقیفہ و فدک سے نقل کی ہے اور یہ دونوں شیعہ نہیں ہیں۔

اس اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ بات تو شیعہ عالم نے کی ہے مگر اس کا ماخذ غیر شیعہ عالم ہے اس لیے غیر معتبر ہے یہ محض بہانہ ہے اور حقائق اس کی تائید نہیں کرتے۔ وہ یوں کہ ابن ابی الحدید کے اعتزال سے تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور حدیدی میں جو عقائد

اس نے بیان کئے ہیں وہ اس کے شیعہ ہونے پر شاہد ہیں پھر اس کے قصیدوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف شیعہ نہیں غالی شیعہ ہے پھر یہ کہ علمائے ایران، عراق اسے شیعہ لکھتے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ اس نے متکلمین شیعہ کی چند ایک روایات پر کلام کی ہے مگر اس کے ساتھ ہی متکلمین شیعہ کے بہت سے عقائد کی تائید بھی ہے۔

اعتراض کا دوسرا حصہ کہ علامہ بحرانی نے یہ روایت ابن ابی الحدید سے نقل کی ہے۔ غلط ہے کیونکہ بحرانی کی روایت اور ابن ابی الحدید کی روایت کے الفاظ میں اتنا تفاوت ہے کہ اس کو نقل کرنا نہیں کہہ سکتے۔

تیسرا حصہ کہ کتاب سقیفہ و فدک سے نقل کی ہے یہ بھی محض دعویٰ ہے کیونکہ

(۱) اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس نام کی کسی کتاب کا وجود پایا گیا ہے۔

(۲) اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس نام کی کوئی تصنیف ابوبکر احمد بن عبدالعزیز نے کی۔

(۳) ابوبکر احمد بن عبدالعزیز نام کا اگر کوئی آدمی ہے تو وہ غیر معروف ہے کسی سنی عالم نے اس سے کچھ اخذ نہیں کیا نہ کسی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اسمائے رجال کی کسی کتاب میں اس کا مستقل ترجمہ نہیں ملتا۔ ہاں شیعہ علماء نے اس کا ذکر کیا ہے خصوصاً ابوالفرج اصفہانی شیعہ نے اس سے روایتیں لی ہیں جس سے اس شخص کا شیعہ ہونا صاف ظاہر ہے۔

(۴) شیخ طوسی نے امامیہ رجال کی فہرست میں ابوبکر احمد بن عبدالعزیز کا ذکر کیا ہے اور شیعہ عالم محمد بن علی اردبیلی نے اپنی کتاب جامع الرواۃ ۱: ۵۲ پر اس کا ترجمہ مستقل عنوان سے لکھا ہے اور اس کا کوفی ہونا بیان کیا ہے کہ احمد بن عبدالعزیز الجوھری لہ کتاب السقیفہ الکوفی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ روایت ہر دور میں شیعہ علماء سے ہی نقل ہو کر آئی ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ احمد بن عبدالعزیز بھی شیعہ تھا۔ ابن ابی الحدید اور میثم بحرانی بھی شیعہ تھے۔ مذکورہ بالا روایات اور تاریخی حقائق نے ثابت کر دیا کہ حضرت فاطمہؓ مطمئن ہو گئیں اور حضرت ابوبکرؓ سے راضی ہو گئیں۔ اگر خالص عقلی پیمانے سے ناپا جائے تب بھی

حضرت فاطمہؓ کا راضی نہ ہونا محال نظر آتا ہے۔

(۱) ناسخ التواریخ ص: ۲۳۹ از کتاب دوم۔ دنیا کی حقیقت یہ بیان ہوئی ہے۔

قال رسول اللہ جعلت فداھا ابوھا
ثلاث مرات لیست الدنیا من محمد
ولا من آل محمد ولو کانت الدنیا تعدل عند اللہ
من الخیر جناح بعوضۃ ما اسقی فیھا کافرا شربۃ ماء

اگر آل محمدؐ میں دنیا کی محبت اس درجے کی ہو کہ حضورؐ کی حدیث سننے کے باوجود چند کھجوروں کی خاطر جانشین رسولؐ سے ناراض ہو جائیں اور پھر عمر بھر راضی ہونے کو نہ آئیں تو مندرجہ بالا حدیث رسولؐ بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ کیا آل محمدؐ میں سے صرف حضرت فاطمہؓ ہی کو آپ اتنا بڑا دنیا دار ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یہ آل محمدؐ کی عزت نہیں بلکہ توہین ہے۔

شیعہ کتب میں سے سب سے پہلی کتاب سلیم بن قیس ہلالی کی ہے۔ اس کے صفحہ ۲۲۴-۲۲۸ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔ آخر میں ہے۔

فدخلا وسلما قالا ارض عنا رضی اللہ عنک۔

یعنی حضرت ابوبکرؓ، عمر کا بیمار پرسی کیلئے جانا اور ان کو راضی کرنے کے لیے یہ الفاظ کہنا پھر بھی حضرت فاطمہؓ کا راضی نہ ہونا حب دنیا اور فنا فی الدنیا کی دلیل بنتی ہے۔ پھر ناسخ التواریخ کی بیان کردہ حدیث کا کیا مطلب ہوا

(۲) اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص بندوں کا وصف بیان کیا ہے۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس۔
اور واذا ما غضبوا ھم یغفرون۔
اور فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔
اور ولمن صبر وغفر ان ذلک من عزم الامور۔

جب غصہ پی جانا۔ معاف کر دینا عام مسلمانوں میں سے اللہ کے خاص بندوں کا وصف ہے تو کیا آل محمدؐ میں سے حضرت فاطمہؓ کی ذات ہی ایسی ہے جو اس وصف سے

خالی ہے۔ ایسا تصور کرنا یا عقیدہ رکھنا حضرت فاطمہؓ کی توہین کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

فتح الباری ۶ : ۱۲۲ اس کی توجیہ بیان کی گئی ہے۔

واما سبب غضبها مع احتجاج ابی بکر بالحدیث المذکور فلا عتقادها تاویل الحدیث علی خلاف ما تمسک به ابوبکر و کانها اعتقدت تخصیص العموم فی قوله علیه السلام لا نورث و رأت ان منافع ما فرض من ارض و عقار لا یمتنع ان یورث عنه و تمسک ابوبکر بالعموم و اختلفا فی امر محتمل للتاویل فلما صمم علی ذلک انقطعت عن الاجتماع به لذلک	حدیث سے اتفاق کرنے کے باوجود حضرت فاطمہؓ کے غصے کی وجہ تاویل حدیث میں اختلاف تھا۔ حضرت فاطمہؓ عموم سے تخصیص کا عقیدہ رکھتی تھیں لانورث سے حضرت فاطمہؓ یہ سمجھی تھیں کہ زمین کی آمدنی اور مکان کے منافع میں میراث جاری ہونے سے حدیث مانع نہیں ہے اور حضرت ابوبکرؓ کا تمسک عموم الفاظ حدیث سے تھا۔ دونوں کا اختلاف ایک امر احتمالی میں ہوا جب حضرت ابوبکرؓ نے حدیث کے عمومی استدلال پر زور دیا تو حضرت فاطمہؓ نے بحث ترک کر دی۔

حضرت فاطمہؓ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں مجتہد تھے اس لیے حدیث کے تمسک میں اختلاف ہوا اس استدلال میں جب حضرت فاطمہؓ نے استدلال کا پہلو ترک کر دیا تو راوی کو ظن ہوا کہ انہوں نے کلام کرنا ہی چھوڑ دیا۔

حضرت فاطمہؓ نے حدیث سے یہ سمجھا کہ اس میں درہم و دینار کی نفی ہے زمین کی نفی نہیں گویا انہوں نے تخصیص سمجھی اور حضرت صدیق اکبرؓ نے عموم میراث کی نفی سمجھی اور یہی بات صحیح تھی اور اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

حدیث کے تمام طرق پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غضبت فاطمة فهجرته فلم تکلم سب ظن راوی ہے۔

صحاح میں چودہ مقامات پر حدیث فدک مذکور ہے صرف حضرت عائشہؓ، ابوہریرہؓ اور ابوالطفیل سے ناراضگی کا قول مذکور ہے اور یہ الفاظ حضرت عائشہؓ کے نہیں بلکہ راوی کے

یہ پوری روایت یوں ہے۔

عن عائشة ان فاطمة والعباس علیهم السلام اتیا ابابکر یلتمسان میراثهما من رسول الله صلی الله علیه وسلم ..... قال فقال لهما ابوبکر سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لا نورث ما ترکناه صدقة انما یأکل آل محمد من هذا المال قال ابوبکر والله لا ادع امرا رأیت رسول الله یصنعه فیه الا صنعته قال فهجرته فاطمة فلم تکلمه حتی ماتت۔	حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ دونوں حضرت ابوبکر کے پاس حضورؐ کی میراث کا مطالبہ لے کر آئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ نبی میراث نہیں چھوڑتے جو رہ جائے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آل محمدؐ اس مال سے کھائے گی" ابوبکرؓ نے فرمایا بخدا میں اس کام کو نہیں چھوڑوں گا جو حضورؐ کیا کرتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ چلی گئیں اور مرتے دم تک ان سے بات نہ کی۔

حدیث کے آخر میں لفظ قال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول حضرت عائشہؓ کا نہیں ورنہ قالت ہوتا پھر اسی قال سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلام الا صنعته پر ختم ہو گیا آگے قال سے مراد قال الراوی ہے یعنی قال کے بعد کا حصہ راوی کا اپنا خیال یا رائے ہے اس میں بھی فلم تکلمہ کی بھی تصریح نہیں۔ اس کی تصریح فیض الباری کے علاوہ تاریخ ابن جریر طبری ۲ : ۴۴۸ پر کی گئی ہے۔

والمراد من ترک کلام فاطمة ایاه حتی ماتت والمراد منه کلامها فی امر فدک	عدم کلام سے مراد فدک کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔

شارحین بخاری نے تصریح فرما دی ہے کہ فلم تکلمہ سے مراد مطلق کلام نہیں بلکہ فلم تکلمہ فی ذلک المال سے یہ نفی مرتب خاص اور مقید کی ہے اور نفی خاص مقید کی نفی عام مطلق کو مستلزم نہیں یہ ساری بحث راوی کے مقولے پر ہے جو حدیث کا حصہ نہیں مزید چھان بین کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ یہ الفاظ کسی شیعہ راوی کے ہیں جو بھیس بدل کر واقعہ کی صورت بگاڑ گیا ہے چنانچہ اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة ۲ : ۴۴ ملاحظہ ہو۔

عن ابی العینا قال انا والجاحظ وضعنا حدیثا وادخلناہ علی المشائخ ادعلی الشیوخ ببغداد فقبلوہ الا ابن ابی شیبہ العلوی فانہ قال لا یشبہ اخرھذا الحدیث اولہ وابی یقبلہ وکان ابو العینا یحدث بھذا بعد ماتاب۔

ابو العیناء کہتا ہے میں نے اور جاحظ نے ایک حدیث وضع کی اور مشائخ بغداد کے پیش کی تمام نے قبول کر لی صرف ابن ابی شیبہ علوی نے اسے قبول نہ کیا اور کہا اس حدیث کی ابتداء اس کے آخری حصہ سے نہیں ملتی۔ ابو العیناء نے اس حرکت سے تائب ہونے کے بعد یہ واقعہ بیان کیا۔

اور علامہ ابن اثیر جزری نے صدر کتاب جامع الاصول فرع ثالث طبقات المجروحین میں بعینہٖ ان الفاظ میں یہ بات بیان کی ہے صرف یہ الفاظ زائد ہیں وضعت انا والجاحظ حدیث فدک۔

حضرات شیعہ نے بھی دبی زبان سے اس حصۂ حدیث کو وضعی تسلیم کیا ہے۔
شافی از شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ صفحہ ۲۱۳ طبع ایران۔

اخبرنا جماعۃ عن ابی عبد اللہ بن احمد بن ابی طاھر عن ابیہ قال ذکرت لابی الحسین زید بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب کلام فاطمۃ علیھا السلام عند منع ابی بکر ایاھا فدک وقلت ان ھؤلاء یزعمون موضوع لانہ من کلام ابی العینا لان الکلام منسوق البلاغۃ

ایک جماعت نے ابی عبد اللہ بن احمد بن ابی طاہر سے خبر دی وہ اپنے باپ سے بیان کرتا ہے کہ میں نے ابی الحسین زید بن علی سے حضرت فاطمہؓ کی بات کا ذکر کیا جب حضرت ابو بکرؓ نے انہیں فدک نہیں دیا تھا میں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات بناوٹی ہے۔ کیونکہ یہ حدیث فدک ابو العیناء کی کلام ہے یہ کلام بلیغ ہے اور ابو العیناء خود بڑا بلیغ تھا۔

علم الہدیٰ کی اس روایت اور صراحت سے معلوم ہو گیا کہ یہ کلام ابو العیناء کی ہے۔
گویا حضرت فاطمہؓ کے ناراض ہونے اور ترک کلام کا سارا قصہ ہی وضعی اور من گھڑت ہے۔

غضبت فاطمہؑ کے وضعی اور من گھڑت تھد میں مزید رنگ بھرنے کیلئے ایک اور بات
کہی جاتی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ من اغضبہا فقد اغضبنی

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ورود حدیث حضرت علیؓ کے حق میں ہے دوسری
بات یہ ہے کہ یہ دنیوی امور میں سے اللہ کی بات یا اللہ کے رسول کی بات سننے سے کوئی ناراض
ہوتا ہے تو وہ اس ضمن میں آسکتا ہی نہیں کیونکہ ایسے موقع پر ناراض ہونا بات سنانے
والے پر ناراض ہونا نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول سے ناراض ہونا ہے بھلا کوئی مسلمان
یہ جرأت کر سکتا ہے اور کسی مسلمان کے متعلق کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ اللہ اس کے رسول سے
ناراض ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں وضاحت کی گئی ہے۔

من اغضبہا بطمع نفسہ ای من جہۃ هوی النفس لا من جہۃ الشرع و اسمعہا ابو بکر حدیث الرسول لا من جہۃ نفسہ۔	حضورؐ کی مراد یہ ہے کہ جس نے اپنی ہوائے نفس کے تحت فاطمہؓ کو ناراض کیا نہ بوجہ شریعت کے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے تو حدیث رسولؐ ہی سنائی تھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا تھا۔

واقعات شاہد ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو کوئی ذاتی نفع نہیں تھا انھوں نے معاملے کی
شرعی حیثیت بتائی وہ بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ حدیث رسول سنا کر البتہ یہ ضرور کہا کہ میں
رسول کریمؐ کی مخالفت کرنے کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتا اس کے باوجود اگر حضرت فاطمہؓ کا ناراض
ہونا تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاذ اللہ رسول کریمؐ سے ناراض ہوئیں کہ
انھوں نے ایسا کیوں فرمایا یا ابوبکرؓ سے اس لیے ناراض ہوئیں کہ انھوں نے اللہ کے رسول
کی مخالفت کرنے کا ارادہ کیوں نہ کیا۔ اور یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ
کی ذات سے ان کا منسوب کرنا ان کی توہین اور اپنے ایمان سے دست برداری کا اعلان ہے۔

اس سلسلے میں حضرت ابوبکر کو متہم کرتے وقت یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ حضرت علیؓ نے اپنے دور
اقتدار میں کیا فرمایا اور کیا رویہ اختیار کیا۔

شافی شریف مرتضی ص ۲۳۱

فلما وصل الامر الی علی بن ابی طالب	جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو [illegible]

كلمونى فى امر فدك فقال انى لاستحيى من الله ان ارد شيئا منع عنه ابوبكر وامضاه عمر.

بارے میں بات کی گئی فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس حکم کو رد کروں جس کا فیصلہ ابوبکرؓ نے کیا اور عمرؓ نے برقرار رکھا۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ اور حضرت عمرؓ کے اس پر قائم رہنے کو اللہ اور رسول کے حکم کے عین مطابق سمجھا ورنہ خدا سے حیا محسوس کرنے کا کیا مطلب اور حضرت علیؓ کے متعلق وضاحت ہو چکی ہے کہ آپ نے فدک کے بارے میں اپنے دور اقتدار میں وہی طریقہ اختیار کیا جسے وہ حکم خدا کے مطابق سمجھتے تھے جو طریقہ حضرت ابوبکرؓ نے اتباع نبوی کے تحت اختیار کیا تھا۔ اگر یہ جرم ہے تو کہنا پڑے گا کہ

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مطالبہ میراث کے سلسلے میں حضرت علیؓ کا کردار

اس واقعہ کا خلاصہ ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار ص۱۰۳ کتاب الفتن میں الاختصاص سے نقل کیا ہے۔

عن عبد الله بن سنان عن ابى عبد الله عليه السلام لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم وجلس ابوبكر مجلسه بعث الى وكيل فاطمة فاخرجه من فدك فاتته فاطمة ...... الى ان قال ابوبكر ان النبى لا يورث فرجعت الى على فاخبرته فقال ارجعى اليه وقولى زعمت ان النبى لا يورث وورث سليمان داود وورث يحيى زكريا وكيف لا ارث انا ابى فقال عمر۔

عبداللہ بن سنان امام جعفر صادق سے بیان کرتا ہے کہ جب رسول کریمؐ دنیا سے رخصت ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ ان کے جانشین ہوئے تو انھوں نے حضرت فاطمہؓ کے وکیل کو فدک سے نکال دیا تو وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس فدک کے مطالبہ کیلئے آئیں .... حضرت ابوبکرؓ نے خلافت رسول گستانی۔ کہ انبیا کسی کو وارث نہیں بناتے۔ وہ حضرت علیؓ کے پاس لوٹ گئیں انھیں بتایا۔ کہا پھر جاؤ اور کہو کہ آپ کا خیال ہے نبی میراث

فقال انت معلمة قالت وان كنت معلمة فعلمني ابن عمي علي الى ان قالت ان فدك انما هي صدقة بها علي رسول الله ولي بذلك بينة فجاءت ام ايمن وعلي ثم خرجت وحملها على اتان عليه كساء قد ارها اربعين صباحا في بيوت المهاجرين والانصار والحسن والحسين معها فانتهت الى معاذ بن جبل فقالت يا معاذ اني قد جئتك مستنصرة قال وما يبلغ نصرتي وانا وحدي الى ان قال فانصرفت فقال علي لها ائتي ابا بكر وحده فانه ارق من الآخر وكلمته وقال صدقت قال فدعا بكتب فكتبه لها برد فدك فاطمه خرجت والكتاب معها فلقيها عمر فقال يا بنت محمد صلى الله عليه وسلم ما هذا الكتاب الذي معك قالت كتاب كتب ابوبكر

نہیں چھوڑتے۔ حضرت سلیمانؑ اپنے والد داؤد کے وارث ہوئے حضرت یحییٰ اپنے والد حضرت زکریاؑ کے وارث ہوئے۔ میں اپنے باپ کی وارث کیونکر نہیں ہوسکتی۔ حضرت عمرؓ نے کہا تمہیں پڑھایا گیا ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا اگر ایسی بات ہے تو مجھے میرے ابن عم علیؓ نے پڑھایا ہے . . . . . فدک تو رسول کریمؐ نے مجھے دے دیا تھا میرے پاس اس کا ثبوت ہے پھر ام ایمن اور علیؓ آئے۔ پھر آپ چلی گئیں۔ پھر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کیا جس پر ذرا سا کپڑا تھا اور چالیس روز تک مہاجرین و انصار کے دروازوں پر پھرایا حسنین ساتھ تھے۔ آپ معاذ بن جبل کے ہاں پہنچیں امداد طلب کی کہا میں اکیلا مدد نہیں کر سکتا . . . . آپ لوٹیں تو حضرت علیؓ نے کہا کہ ابوبکرؓ کے پاس تنہائی میں جاؤ وہ دوسرے (عمرؓ) کی نسبت زیادہ رفیق القلب ہے۔ وہ گئیں بات کی ابوبکرؓ نے ان کے حق میں لکھ دیا۔ تحریر لے کر واپس آئیں تو راستے میں حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا اے دختر رسولؐ! آپ کے پاس یہ تحریر کیا ہے۔

يرد فدك فقال هلميه الى فابت ان تدفعه اليه فضربها برجله وكانت حاملة بابن اسمه المحسن فاسقطت المحسن من بطنها ثم لطمها فكانى انظر الى قرط كان فى اذنها حين نقفها ثم اخذ الكتاب فخرقه فمضت ومكثت خمسة وسبعين يوما مريضة مما ضربها عمر ثم قبضت انا لله و انا اليه راجعون ۔

کہا ابوبکرؓ نے مجھے فدک کی جاگیر لوٹا دی ہے کہا ادھر لاؤ مجھے دو حضرت فاطمہؑ نے دینے سے انکار کر دیا ۔ عمر نے انہیں ٹھوکر ماری ۔ وہ حاملہ تھیں ۔ اسقاط حمل ہوگیا ۔ پھر انہیں تھپڑ مارے ۔

پھر وہ وثیقہ لے لیا پھاڑ ڈالا اور چل دئے اس واقعہ کے بعد ۷۵ روز تک حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں ۔ اسی مرض میں وفات پاگئیں انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

واقعہ کی اس تفصیل سے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے ۔

(۱) جب حضرت فاطمہؓ کو معلوم ہوا کہ ان کے وکیل کو فدک سے نکال دیا گیا ہے تو وہ مطالبہ لے کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس اکیلی گئیں ۔

(۲) جب ناکام واپس آئیں تو حضرت علیؓ ان کو دلائل بتا کر دوبارہ اکیلے بھیجا خود ساتھ نہیں گئے ۔

(۳) پھر حضرت علی گواہ کی حیثیت سے گئے مگر یہ ظاہر نہیں کہ انہوں نے شہادت کیا دی ۔

(۴) حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ کو گدھے پر سوار کر کے نہایت ذلت آمیز صورت میں ۴۰ دن تک مہاجرین اور انصار کے دروازوں پر پھرایا حسنین بھی ساتھ تھے ۔

(۵) اس ذلت اور رسوائی سے پھرانے کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ مہاجرین و انصار کے سامنے اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے ان سے امداد طلب کی جائے ۔

(۶) اس دوران انہوں نے حضرت معاذ بن جبل سے امداد طلب کی کہ فدک دلا دیں ۔

(۷) واپسی پر پھر حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ صرف ابوبکرؓ کے پاس جاؤ ۔ خود ساتھ نہیں گئے ۔

ان کے باہمی تعلق پر بھی روشنی ڈالتی ہے اور حضرت علی کی شجاعت، مردانگی اور غیرت وحمیت کا بھی ایک بھیانک نقشہ سامنے آتا ہے۔ محبت کا دم بھرنے والوں نے اہل بیت پر کیا ستم ڈھایا ہے۔

حضرت علی کے اس کردار کے علاوہ یہاں ایک ضمنی بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تکرار کے بعد سہی۔ لیکن فدک دے تو دیا پھر شیعہ حضرات انہیں اب تک معاف کیوں نہیں کرتے۔ ان کے پے در پے حملے حضرت ابوبکرؓ پر کیوں ہوتے ہیں۔

اس روایت سے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے قلبی تعلق اور دلی محبت کا نقشہ تو سامنے آگیا مگر اس خاکے میں جو مزید رنگ بھرا گیا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت فاطمہؓ نے جب حضرت عمر کے ہاتھوں اتنی ذلت اٹھائی (بقول شیعہ) تو گھر آکر اپنے محبوب شوہر، شیر خدا اور امام برحق مفترض الطاعت سے خطاب فرمایا

یا ابن ابی طالب اشتملت شملۃ الجنین وقعدت حجرۃ الظنین۔	ای پسر ابی طالب خود پوشیدن را شملہ درپیچیدی مانند جنین دررحم وروی از خلق نہفتی چوں مردم متہم؛

(احتجاج طبرسی اور ناسخ التواریخ ج ۴ : ۱۳۱، ۱۳۲ از کتاب دوم اور حق الیقین)

حق الیقین کی عبارت یہ ہے :۔

مانند جنین دررحم پردہ نشین شدہٗ ومثل خائناں یا خائفاں درخانہ گریختہ۔

خیال رہے کہ یہ خطاب ایک گنوار یا دین سے نا آشنا بیوی کا اپنے شوہر سے نہیں بلکہ خاتون جنت نے شیر خدا اور امام مفترض الطاعۃ سے خطاب کیا ہے ان الفاظ میں تلاش کیجئے کہ حضرت فاطمہؓ کے دل میں حضرت علیؓ کی شجاعت اور تہور کا نقشہ کیا تھا۔ آپ کے زہد و تقویٰ کا تصور کیا تھا اور اپنے خاوند سے محبت کتنی تھی۔

جانبین کی سیرت وکردار اور ان کے باہمی تعلقات کا جو نقشہ شیعہ روایات میں کھینچا گیا ہے اس کے متعلق انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ ایک طرف یہ عقیدہ کہ شیر خدا سارے زمینوں کو اٹھانے والا۔ قلعہ خیبر فتح کرنے والا۔ باب قلعہ کو اکھاڑ پھینکنے والا حتیٰ کہ لافتی الاعلی لاسیف الا ذوالفقار۔

(۸) حضرت فاطمہؓ اس مرتبہ گئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے وثیقہ لکھ دیا۔
(۹) حضرت عمر سے سرراہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے وثیقہ چھین کر پھاڑ دیا۔
(۱۰) اسی پر بس نہیں کی بلکہ حضرت فاطمہؓ کا گریبان پکڑ کر کھینچا تھپڑ مارا پھر لات ماری جس سے اسقاط حمل ہوگیا۔
(۱۱) واپسی پر حضرت علی کو سب ماجرا سنایا مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔

ان امور سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں

(۱) حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ کی عزت کا ذرا بھر خیال نہیں تھا۔
(۲) ان کی ذلت سے حضرت علیؓ کا دل پسیجنے کا کوئی نشان نہیں ملتا جس سے ظاہر ہے کہ وہ خوش ہوتے تھے۔
(۳) حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ کا اتنا خیال بھی نہیں تھا جتنا ایک عام شوہر کو ہوتا ہے اس لیے بار بار انہیں اکیلے ہی بھیجا خود ساتھ نہ گئے۔
(۴) چونکہ انہیں ماکان ومایکون کا علم تھا اس لیے وہ جانتے تھے کہ اب کی بار حضرت عمر کے ہاتھوں انہیں یہ ذلت اٹھانا پڑے گی پھر بھی انہیں خود اکیلے بھیجا صاف ظاہر ہے کہ انہیں اپنی بیوی کی ذلت اور رسوائی سے خوشی ہوتی تھی۔ اگر ایسا نہیں تو ماکان ومایکون والی بات بناوٹی ہے۔ ان میں سے ایک صورت لازماً تسلیم کرنا پڑے گی۔
(۵) مہاجرین وانصار کی امداد کی کیفیت تو ایک دو دن میں بھی معلوم ہوسکتی تھی اس لیے یہ چلہ پورا کرنے میں انہیں ذلیل ورسوا کرنے کے علاوہ کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔
(۶) شیر خدا ہونے کے باوجود اپنی بیوی سے ایک غیر آدمی کا یہ سلوک دیکھ کر ٹس سے مس نہ ہونا عجیب سی بات ہے کہ ایک عام آدمی کی بیوی سے بھی اگر یہ سلوک کیا جائے تو اس کی غیرت اور حمیت جوش میں آجاتی ہے کیا شیر خدا میں اتنی غیرت اور حمیت بھی نہ تھی۔
(۷) حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ سے اتنی بیزاری ایسی بے رخی اور اس قدر بے گانگی

دوسری طرف یہ نقشہ کہ بیوی جو خاتم الانبیاء کی لخت جگر ہے کی توہین وتذلیل ہوتی ہے بلکہ خود کی جاتی ہے اسے مارا پیٹا جاتا ہے حتیٰ کہ اسقاط حمل ہو جاتا ہے مگر نہ خون حیدری جوش میں آتا ہے نہ ذوالفقار حیدری نیام سے باہر آتی ہے غیرت وحمیت کی ایسی مثال دنیا میں شاید ہی کہیں ملے۔

پھر خاتون جنت سے وہ الفاظ منسوب کئے جاتے ہیں کہ اپنے خاوند کو ان الفاظ سے مخاطب کرنا ایک جاہل گنوار اور پھوہڑ بیوی کے متعلق بھی تصور میں نہیں آسکتے۔

ان قابل احترام ہستیوں کی سیرت وکردار کا وہ بیان جو حقائق پر مبنی ہے اگر سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ روایات میں بیان کردہ تصویر کے دونوں رخ یار لوگوں نے محض زیب داستاں کیلئے وضع کئے ہیں۔ محبت اہل بیت کے دعویٰ کے ساتھ اہل بیت سے دشمنی کا حق ادا کر دیا ہے۔

یہاں ایک اور عقدہ بھی کھل رہا ہے۔ شیعہ حضرات نے یہ اتہام باندھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہوگئیں اور راوی کے اس قول کو کہ غضبت فاطمۃ اس اتہام کی بنیاد بنایا ہے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت ہے حضرت فاطمہؓ کا اپنا قول کہ میں ابوبکرؓ سے ناراض ہوں آج تک کوئی شیعہ پیش نہیں کر سکا۔ صرف ایک راوی کے اپنے قول اور اپنی رائے پر یار لوگوں نے یہ طوفان اٹھایا ہے۔ اب ذرا ان الفاظ پر غور کیجئے جو حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے۔ ان الفاظ سے پیار جھلک رہا ہے یا غصہ اور ناراضگی۔

پھر یہ الفاظ کسی راوی کے نہیں حضرت فاطمہ کے اپنے الفاظ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ تو حضرت فاطمہؓ کی فرضی ناراضگی کی وجہ سے متہم ٹھیرے حضرت فاطمہؓ کی حقیقی ناراضگی کے اظہار سے حضرت علیؓ کی سیرت کو کیسے بچاؤ گے۔

اس انداز گفتگو کو حضرت فاطمہؓ کی طرف منسوب کرنا ان کی سیرت پر بہت بڑا حملہ ہے اس لیے اس داغ کو دھونے کی خاطر ایک تاویل کی گئی ہے۔

بحار الانوار صفحہ ۱۲۳ کتاب الفتن اور حق الیقین۔

فاقول یمکن ان یجاب عنہ بان ھذہ	میں کہتا ہوں ممکن ہے ان کی طرف سے یہ جواب

الکلمات صدرت منها لبعض المصالح ولو تکن ذاتها منکرۃ لما فعله بل کانت راضیۃ وانما کان غرضها ان یتبین للناس قبح اعمالهم وشناعۃ افعالهم وان سکوته لیس لرضاہ بما اتوا به۔

دیا جا سکے کہ یہ کلمات کسی مصلحت کے تحت ان کی زبان سے نکلے حقیقت میں حضرت فاطمہؓ کو حضرت علی کا رویہ ناپسند نہیں تھا بلکہ خوش تھیں ان کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے ابوبکرؓ عمرؓ کے افعال قبیحہ کا اظہار کریں۔ اور حضرت علی کا خاموش رہنا درحقیقت حضرت فاطمہؓ کے رویہ پر رضامندی کے طور پر تھا۔

حق الیقین کی عبارت یہ ہے

مؤلف گوید کہ دریں مقام تحقیق بعض از امور ضرور است ما در جواب گوئیم کہ ایں معارضہ محمول بر مصلحت است از برائے آنکہ مردم بدانند کہ حضرت امیر ترک خلافت برضائے خود نکردہ وبغصب فدک راضی نبودہ۔

اس سے اونچی بات صاحب ناسخ التواریخ نے بتا دی کہ

مکشوف باد کہ اسرار اہل بیت مستور است از مدرکات امثال ما مردم۔

خوب سمجھ لیجئے کہ اہل بیت کے اسرار ہم جیسے لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں۔

پہلی تاویل ایک ایسا معمہ ہے کہ اسے کھولنے بیٹھو تو اور پیچ پڑتے چلے جائیں گے مثلاً

۱۔ حضرت علی عالم ما کان وما یکون تھے دوسری مرتبہ حضرت فاطمہ کو بھیجتے ہوئے علم تھا کہ ان کی توہین وتذلیل ہوگی لہٰذا مصلحت یہی ہے کہ خود نہ جاؤ اپنی عزت بچاؤ دختر رسولؐ کی بے عزتی ہوتی ہے تو ہونے دو۔

۲۔ اسی طرح ان کو علم تھا کہ مہاجرین وانصار کوئی مدد نہیں کریں گے پھر بیوی کو مسلسل ۴۰ روز تک در بدر پھراتے رہنے میں کیا مصلحت تھی؟

۳۔ مہاجرین وانصار کے اعمال قبیحہ کا اظہار مقصود تھا تو گھر کی چار دیواری میں یہ الفاظ کہنے سے اظہار کیسے ہوا کس کے سامنے ہوا۔ اگر صرف حضرت علی کے سامنے اظہار مقصود تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی خود حسن وقبح میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں

رکھتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے یہ کمی پوری کی۔ اور اگر اظہار ہی مقصود تھا تو وہ غرض بھی پوری نہ ہوئی کیونکہ یہ بات تو گھر ہی کی تھی حضرت فاطمہؓ نے سر بازار تھوڑا ہی یہ کہا تھا۔

۴۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؓ اس معاملے میں حضرت علی کے دل سے راضی تھیں؟ کس کو بتایا؟ کب بتایا؟ یہ راز کی بات اگر کسی کو بتائی نہیں تو صاحب ناسخ التواریخ نے یہ اجتہاد کس بنا پر کر لیا کہ دراصل وہ راضی تھیں یہ طعنے اور گالیاں محض بناوٹ تھی۔ بہر حال بڑی تلاش کے باوجود حضرت فاطمہ کے اس انداز گفتگو میں کوئی مصلحت نظر نہیں آتی۔ البتہ ایک پہلو قابل غور ہے۔ اگر اس انداز گفتگو سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت علی سے ناراض تھیں بلکہ یہ تاویل کی جائے کہ یہ محض دکھاوا تھا اصل میں دل سے راضی تھیں تو غضبت فاطمہ کی یہ تاویل کیوں نہیں کی گئی کہ حضرت فاطمہ کا حضرت ابوبکر سے یہ رویہ محض ظاہری بات تھی اصل میں وہ دل سے راضی تھیں پھر ان دونوں حالتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ غضبت فاطمہ راوی کا قیاس ہے اور حضرت علی کے حق میں ناموزوں الفاظ اور ناراضگی کا اظہار خود حضرت فاطمہ کی زبانی ہو رہا ہے۔ راوی نے اپنی رائے کا اظہار کیا تو آپ نے فوراً مان لیا اور حضرت فاطمہ خود اپنی زبان سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں تو آپ مانتے نہیں یہ رویہ نظر ثانی کا محتاج ہے۔

میراث کے معاملہ کو طویل اور پہلو دار بنانے کی کوشش کی گئی ہے مگر اس میں ایک عجیب الجھن نظر آتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں ایک اصول بیان ہوا ہے جس سے کسی کے کامل الایمان یا ناقص الایمان ہونے کی شناخت ہو سکتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ علامت مومن اور فاسق میں مابہ الامتیاز ہے۔ فروع کافی ۲: ۲۲۵ احتجاج طبرسی ص۱۸۶ اور انوار نعمانیہ ۱: ۲۷۰ بیان ہوا ہے

عن عمر بن حنظلة قال سألت ابا عبد الله عليه السلام عن رجلين من اصحابنا بينهما منازعة في دين او ميراث فتحاكما الى السلطان او الى القضاة ا يحل

عمر بن حنظلہ کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ دو شیعہ مردوں میں قرض یا میراث کے معاملہ میں جھگڑا ہو جائے وہ اپنا دعویٰ بادشاہ یا قاضی کے پاس لے جائیں

لذلك قال من تحاكم اليهم في حق او باطل فانما تحاكم الى الجبت والطاغوت المنهي عنه وما حكم له به فانما يأخذ سحتا وان كان حقا ثابتا له لانه اخذه بحكم الطاغوت وقد امر الله ان يكفر به قال تعالى يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت وقد امروا ان يكفروا به۔

کیا یہ جائز ہے۔ امام نے کہا جو شخص حاکم یا قاضی (غیر شیعہ) کے پاس فیصلہ کی غرض سے جائے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ اس کا جانا ایسا ہے جیسے بت یا شیطان کے پاس جانا اس کی ممانعت ہے۔ اور اگر اس کے فیصلہ کے مطابق وہ شیعہ کوئی چیز لے گا تو وہ حرام لے گا خواہ وہ اس کا حق ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس نے شیطان کے حکم سے لیا۔ اور خدا کا حکم ہے کہ ان کی نافرمانی کرو۔

یعنی قانون یہ ہے کہ غیر شیعہ حاکم کے پاس اپنا مقدمہ لے جانا ایسا ہے جیسا شیطان کے پاس لے جانا۔ ایسا حاکم اگر اس کے حق میں فیصلہ کر دے تو اس مال سے نفع اٹھانا حرام ہے اور ظاہر ہے یہ جب ایسے حاکم کے پاس مقدمہ لے جانا حرام ہے تو ایسے مال سے نفع اٹھانا تو لازماً حرام ہوا۔ اور حرام کا مرتکب فاسق ہے۔

اس اصول کے ماتحت دیکھنا یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ حاکم برحق نہیں (بقول شیعہ) حضرت فاطمہؓ کا ان کے سامنے اپنا مقدمہ لیجانا اور حضرت علی کے مشورہ سے لے جانا ان دونوں کو کس مقام پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اس قانون کے تحت ایک نے فعل حرام کا ارتکاب کیا ایک نے ایسا کرنے کا مشورہ دیا۔ اور فعل حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے۔ اب شیعہ اصول کے تحت ان دونوں حضرات کی حیثیت متعین کیجئے۔

اس الجھن سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں۔ اگر حضرت ابوبکر کو خلیفہ برحق تسلیم کر لو تو حضرت فاطمہؓ اور حضرت علی کامل الایمان قرار پاتے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر کو خلیفہ برحق تسلیم نہیں کرتے تو ان دونوں حضرات کو فسق کا نشانہ بننے سے بچا نہیں سکتے کیونکہ اصول خود تم ہی نے مقرر کیا ہے۔ عجیب یہ معاملہ ہے کہ ائمہ کی عصمت کے دعویٰ سے سفر کا آغاز کیا اور چند قدم ہی چلے تھے کہ ائمہ کو فسق و فجور کا مرتکب قرار دے دیا اللہ تعالیٰ کج بینی اور کج رائی سے محفوظ رکھے۔

دعویٰ ہبہ فدک

شیعہ علماء کا کہنا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فدک کی زمین حضرت فاطمہؓ کو ہبہ کر دی تھی۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں سید محمد قلی نے پچیس کتابوں کا نام لکھا ہے کہ ان میں دعویٰ ہبہ کا ثبوت موجود ہے۔ کتابوں کے نام یہ ہیں :-

روضۃ الصفات، حبیب السیر، معارج النبوۃ، مقصد اقصیٰ، براہین قاطعہ، صواعق محرقہ صلاح الدین رومی بر حاشیہ شرح عقائد نسفی، جواہر العقدین، وفاء الوفا، خلاصۃ الوفا، شرح مواقف، فصل الخطاب، کتاب الاکتفاء، ریاض النضرۃ، تفسیر کبیر، نہایۃ العقول، محلی ابن حزم، معجم البلدان، کتاب المواقف، الملل والنحل شہرستانی، مغنی عبد الجبار معتزلی، ابوبکر جوہری کوئی محب مؤرخ مگر شیعہ۔ اتنی کتابوں کے نام گنوا دئے اور تشئید المطاعن میں تحفہ کے جواب میں لکھی گئی ہے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کسی معتبر کتاب میں صحیح مرفوع الاسناد حدیث میں دعویٰ ہبہ ثابت نہیں۔

اور علامہ فضل نے ابطال الباطل میں لکھا ہے۔

واما دعوی فاطمہ فلم یصح فی الصحاح ویذکرونہا بنقلہ الاخبار من ارباب التواریخ ومجرد نقلہم لا یصیر سببا للقدح فی الخلفاء۔

اور جہاں تک ہبہ فدک کا تعلق ہے صحیح سند کے ساتھ صحاح ستہ میں موجود نہیں ہاں مؤرخین اپنے طور پر نقل کرتے ہیں صرف ان لوگوں کا نقل کر دینا خلفاء کی قدح کا سبب نہیں بن سکتا۔

سید محمد قلی نے جن کتابوں کی فہرست دی ہے ان میں سے کسی ایک کتاب کے مصنف نے بھی کسی صحیح حدیث سے یہ بات پیش نہیں کی۔ جب حدیث میں اس بات کا سراغ نہیں ملتا تو ظاہر ہے کہ وہ اقوال علماء ہے اور اقوال علماء کو روایت نہیں کہا جاتا بہر حال یہ بزعم خویش پیش کردہ روایات دو قسم کی ہیں۔ اول وہ جن میں راویوں کے نام تفصیل سے مذکور ہیں۔ دوسری وہ جن میں بعض راویوں کے نام مذکور

ہیں۔ بعض جگہ صرف کتابوں کا نام ہے اب ہم دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لیتے ہیں۔
قسم اول میں شیعہ علماء نے چار حدیثیں پیش کی ہیں۔

(۱) ابن مردویہ سے بیان کی ہے جس کا پہلا راوی ابوالفتح عبدوس بن عبداللہ ہمدانی ہے۔ آٹھواں راوی عطیہ کوفی اور نواں راوی ابوسعید

(۲) پہلا راوی سید ابوحمید مہدی بارھواں راوی فضیل بن مرزوق تیرھواں راوی عطیہ کوفی آخری راوی ابوسعید۔

(۳) پہلا راوی محمد بن سلیمان اعمدی۔ نواں فضیل بن مرزوق دسواں عطیہ کوفی سے گیارھواں ابوسعید۔

(۴) پہلا راوی محمد بن عباس پانچواں فضیل بن مرزوق چھٹا عطیہ کوفی ساتواں ابوسعید۔

ان چاروں روایتوں میں ابوسعید پر آکر بات ختم ہوتی ہے۔ چاروں میں عطیہ کوفی موجود ہے تین میں فضیل بن مرزوق کا نام ہے۔ اس لیے ان تینوں کا تعارف کرا دینا ضروری ہے۔

ابوسعید:۔ اس کا نام محمد بن صائب کلبی ہے۔ دوسرا نام حماد بن سائب کلبی ہے۔ اسکی کنیتیں مختلف ہیں۔ پہلی کنیت ابوسعید ہے اس کنیت سے عطیہ کوفی کوفی شیعہ اس سے روایت کرتا ہے۔

دوسری کنیت ابوالنضر ہے اس کنیت سے ابن اسحاق اس سے بیان کرتا ہے۔

تیسری کنیت ابوالہشام ہے اس کنیت سے قاسم بن ولید اس سے بیان کرتا ہے۔

اس کی پہلی کنیت ابوسعید کے ساتھ "خدری" کا لفظ بڑھا کر اپنوں اور بیگانوں سب کو دھوکا دیا جاتا ہے سنیوں کی کتابوں میں اسی ابوسعید کے ساتھ لفظ خدری بڑھا کر بڑے فریب سے روایات داخل کر دی گئی ہیں۔ یہ تینوں حضرات خالص شیعہ اور تقیہ باز ہیں۔

علامہ سخاوی نے شرح رسالہ منظومہ جزری میں ابوسعید کا حال بیان کیا ہے۔

من اسماء مختلفة د نعوت متعددة محمد بن سائب کلبی المفسر هو ابو النضر الذی روی عنه ابن اسحاق۔ وهو حماد بن سائب روی عنه ابو اسامه

وهو ابو سعيد الذی روی عنہ عطیۃ الکوفی وهما انما الخدری۔ وهشام روی عنه القاسم بن ولید مات سنة مائة وست اربعین۔

ہبہ فدک کے متعلق دوسری قسم میں پانچ روایات بیان ہوئی ہیں۔

(۱) یہ روایت کنز العمال اور تاریخ حاکم سے لی ہے اس کا سلسلہ روایت ابوسعید پر ختم ہوتا ہے۔

(۲) درمنثور سے بلاسند نقل کی گئی ہے بعض شیعہ علماء نے اس روایت کے ساتھ یہ بھی بڑھا دیا ہے کہ اخرجہ البزار وابو یعلی فی مسندھما وابن ابی حاتم وابن مردویہ اس کا سلسلہ بھی ابوسعید پر ختم ہوتا ہے۔

(۳) کتاب کا نام نہیں لیا صرف دو راوی فضیل بن مرزوق اور عطیہ کوفی بیان ہوئے ہیں یہ روایت بحار الانوار کی کتاب الفتن میں ہے۔

(۴) سنی کتاب کا نام نہیں مگر عطیہ کوفی، بشر بن ولید، واقدی اور بشر بن غیاث راویوں کے نام مذکور ہیں یہ سب غالی رافضی ہیں۔

(۵) معارج النبوۃ اور مقصد اقصیٰ سے لی ہے۔ سند محذوف ہے۔

معارج النبوۃ ایک مولودی رسالہ ہے ایک شاعرانہ تخیل ہے۔ تحقیق کے میدان میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور مزے کی بات یہ ہے صاحب معارج النبوۃ نے خود اسے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے

ان دونوں قسم کی روایات کی اسناد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ ایک دو کے بغیر سب کا سلسلہ اسی ابوسعید پر ختم ہوتا ہے جو محمد بن سائب کلبی ہے جو مانا ہوا کذاب اور رافضی ہے۔ باقی روایات میں عطیہ کوفی اور فضیل بن مرزوق موجود ہیں جو اسی کلبی کے ہم مشرب ہیں۔

۲۔ ہبہ فدک کے ثبوت میں کوئی ایک بھی ایسی حدیث نہیں پیش کی گئی جو صحیح اور مرفوع السند ہو اور نہ کوئی ایسی حدیث مل سکتی ہے۔

ہبۂ فدک کی تفصیل اور اس کی تاریخ

شیعہ کا کہنا ہے کہ آیت داٰت ذا القربےٰ حقہ نازل ہوئی تو حضور اکرمؐ نے فدک فدک کی زمین حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دی۔

تاریخ کے اوراق سے اس دعویٰ کی حقیقت کا سراغ لگانا چاہیے۔

(۱) اصول کافی صفحہ ۱۶ اور صافی ۱ : ۵۹ جزء سوم حصہ دوم میں اس آیت کے نزول کے سلسلے میں امام باقر کی روایت موجود ہے کہ

ان اللہ عزوجل انزل علیہ فی سورۃ بنی اسرائیل بمکۃ و قضی ربک ان لا تعبدوا الخ۔

دچوں آیت وآت ذا القربیٰ حقہ در مکہ نازل شدہ چنانچہ می آید در حدیث اول . . . .

صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مکہ سے ہجرت کر جانے کے سات سال بعد سنہ ھ میں فدک کی زمین حضورؐ کے قبضہ میں آئی۔ اب اس دعویٰ کے دونوں حصوں پر غور کیجئے۔

(أ) جب آیت وات ذا القربیٰ نازل ہوئی (۱) تو حضورؐ نے فدک کی زمین حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دی۔ دعویٰ میں "جب" کے بعد "تو" آتا ہے اور تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس گتھی کو سلجھانا مشکل نظر آتا ہے کہ جو زمین ابھی قبضہ میں آئی نہیں وہ برسوں پہلے ہبہ کر دی گئی۔

(۲) حیاۃ القلوب ۲ : ۵۰۳ پر آیت کے متعلق ایک اور بیان ملتا ہے۔

حضرت پرسید از جبریل کہ ذا القربیٰ کیست وحق او چیست گفت ایں را بفاطمہ بدہ کہ میراث اوست از مادرش خدیجہ و خواہرش ہندہ دختر ابی ہالہ۔

حضورؐ نے جبریلؑ سے پوچھا۔ ذوالقربیٰ کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے۔ کہا کہ یہ فاطمہ کو دے دیجئے کہ اس کا ورثہ ہے اس کی والدہ خدیجہ اور انکی بہن ہندہ کے مال سے۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ

(۱) فدک کی جاگیر حضورؐ کی ملکیت نہیں تھی بلکہ حضرت خدیجہ اور ہندہ کی ملکیت تھی کیونکہ جبریل نے ان کی میراث فاطمہ کو دینے کا حکم پہنچایا۔

(۲) اس سے ہبہ کے دعویٰ کی نفی ہوگئی کیونکہ جس چیز کے حضورؐ مالک نہیں تھے اسے ہبہ کرنے کا مطلب کیا ہوا۔

(۳) فدک کا یہود کی بستی ہونا بھی غلط ٹھیرا۔ جب حضرت خدیجہ اور ہندہ اس زمین کی مالک تھیں تو کیا یہود اس جاگیر میں بطور مزارع کام کرتے تھے۔

(۴) جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورؐ کو جبریل سے پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ذا القربیٰ کون ہیں ان کا حق کیا ہے۔ اس سے پہلے آپ یہ دونوں باتیں نہیں جانتے تھے (معاذ اللہ)

(۵) تقسیم میراث کا معاملہ اتنے طویل عرصہ تک تاخیر کی نذر کیوں ہوگیا حضرت خدیجہ تو مکے میں انتقال فرما گئیں اور حضورؐ مکہ سے ہجرت بھی کر گئے سات برس گزر گئے تو اتنی دیر سے میراث کی تقسیم کا حکم ملا۔ حضرت فاطمہ کو تو ماں کے انتقال کے فوراً بعد جائداد ملنی چاہیے تھی۔

۴۔ لیجئے اب واقعات نیا رخ اختیار کرتے ہیں۔

حیاۃ القلوب ۲ : ۲۱۸ حضورؐ فرماتے ہیں۔

و مادر تو خدیجہ مہرے بر من داشت و من فدک را بعوض آں بتو بخشیدم کہ از تو باشد و بعد از تو بفرزندان تو باشد	تیری والدہ خدیجہ کا مہر میرے ذمہ تھا اس کے عوض میں نے فدک تجھے دے دیا۔ اب یہ تیرا مال ہے اور تیرے بعد تیرے بیٹوں کا مال ہے

اس روایت سے معلوم ہوا کہ :-

(۱) حضورؐ نے حضرت خدیجہ کے انتقال تک معاوضہ ادا نہ کیا۔

(۲) فدک کی زمین حضورؐ کی ملکیت تھی۔ مال فے نہیں تھا۔

یہ حقیقت نہیں کھلی کہ اگر یہ مال فے نہیں تھا تو حضورؐ کے ہاتھ کیسے آیا۔

مگر اسی حیاۃ القلوب میں ۲ : ۹۲ پر مہر کی بروقت ادائیگی کا ذکر موجود ہے۔

تزویج کردم بتوای محمدؐ نفس خود را
مہر من در مال من است۔

یعنی مہر تو حضرت خدیجہ نے اپنے ذمہ لے لیا۔ اس کی ادائیگی حضورؐ کے ذمہ نہ رہی۔ پھر مہر کی مقدار کے متعلق دو مختلف روایتیں ملتی ہیں۔

(i) حیاۃ القلوب ۲ : ۹۱

بعد ازوی (ای ہند) رسول خداؐ را
بحبالۂ خود آورد و دوازدہ اوقیہ طلا مہر
گردانید۔

(ii) حیاۃ القلوب ۲ : ۹۲ پر ہے۔

پس گواہ باشید اے گروہ قریش کہ من
تزویج کردم خدیجہ دختر را بمحمد بن عبداللہ
بچہار صد اشرفی مہر۔

ان تمام روایات اور اس تاریخی تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ

(۱) آیت وآت ذا القربیٰ حقہ کے نزول کے وقت حضورؐ نے فدک کی زمین حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دی (جو آیت کے نزول کے کم از کم سات برس بعد حضورؐ کے قبضہ میں آئی)

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کے ذریعے حکم بھیجا کہ فدک کی زمین خدیجہ اور ہندہ کی ہے اس کی وارث فاطمہ ہے لہٰذا انہیں یہ میراث دے دی جائے۔

(۳) حضورؐ نے حضرت خدیجہ کے مہر کے بدلے فدک کی زمین حضرت فاطمہ کو دی۔

(۴) حضرت خدیجہ نے اپنا مہر خود اپنے ذمے لیا جس کا اعلان نکاح کے وقت کیا۔

(۵) مہر کی مقدار ۱۲۔ اوقیہ سونا مقرر ہوئی۔

(۶) مہر ۴۰۰ اشرفی مقرر ہوا۔

گویا ضرورت ہے ایک امیر خسرو کی جو یہ ان مل اور بے جوڑ باتیں اور متضاد بیانات

ایک ایسے مربوط شعر میں بیان ہوئے کہ تضاد رفع ہو جائے۔

اعطائے فدک کی روایت شیعہ حضرات سنی مفسرین کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً روح المعانی ۱۵ : ۶۲

اخرج البزار و ابو یعلی و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ عن ابی سعید خدری

اور ابن کثیر ۳ : ۳۶

و قال الحافظ ابو بکر البزار حدثنا عباد بن یعقوب حدثنا یحیی التمیمی حدثنا فضیل بن مرزوق عن عطیۃ عن ابی سعید قال لما نزلت وآت ذا القربی الخ دعا رسول اللہ فاطمۃ فاعطاھا فدک لم یصح اسنادہ لان الایۃ مکیۃ وفدک انما فتحت مع خیبر سنۃ سبع من الھجرۃ فکیف یلتئم ھذا مع ھذا فھو اذا حدیث منکر ولا شبھۃ انہ من وضع الروافض۔

اور تفسیر مظہری ۵ : ۳۳۴

اخرج ابن حاتم عن السدی و اخرجہ الطبرانی و شیرویہ عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت وآت ذا القربی حقہ دعا رسول اللہ فاطمۃ واعطاھا فدک وروی ابن مردویہ عن ابن عباس مثلہ ای عن فضیل بن مرزوق عن عطیہ عن ابی سعید الخدری۔

ان تینوں روایتوں میں بات ابو سعید پر ختم ہوتی ہے۔ روح المعانی اور مظہری میں ابو سعید کے ساتھ خدری بھی ہے۔ ابن کثیر میں خدری نہیں ہے۔ یہ ابو سعید وہی محمد بن سائب کلبی ہے لیکن فن کاروں نے کنیت کے ساتھ خدری لگا کر اصل آدمی کو چھپا دیا ہے۔ مگر فضیل بن مرزوق اور عطیہ تو موجود ہیں یہ دونوں اس ابو سعید سے روایت کرتے ہیں جو محمد بن سائب کلبی ہے۔ ابو سعید خدری سے روایت نہیں کیا کرتے۔ ابن کثیر نے اس کی سند سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کے تاریخی تضاد کی وجہ سے اسے موضوع اور روافض کی کوشش کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

شیعہ علماء اس سلسلے میں جو روایتیں پیش کرتے ہیں ان کی کل تعداد گیارہ ہے۔ اب ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(۱) پہلی روایت جو شیعہ علماء اور مناظر پیش کرتے ہیں اس کے راوی بشر بن غیاث،

بشر بن دلید اور واقدی ہیں۔

(۲) ابن مردویہ سے لی ہے جس میں فضیل بن مرزوق، عطیہ اور ابو سعید خدری ہیں۔

(۳) تفسیر مجمع البیان ہے۔ اس میں فضیل بن مرزوق عطیہ اور ابو سعید ہیں۔

(۴) طبرسی نے تفسیر میں لی ہے اس میں فضیل بن مرزوق، عطیہ اور ابو سعید ہیں۔

(۵) ملا باقر مجلسی اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں اس میں یہی تینوں راوی ہیں۔

(۶) شیعہ عالم سید ابن طاؤس نے لی ہے اس میں یہی تینوں راوی ہیں۔

(۷) شوستری نے احقاق الحق میں ابن مردویہ سے لی ہے اس میں یہی تینوں راوی ہیں۔

(۸) در منثور سے لی گئی ہے۔ اسناد حذف کر دیا ہے۔

(۹) کنز العمال سے لی ہے۔ اس میں سند کا سلسلہ ابو سعید پر ختم ہوتا ہے۔

(۱۰) روی السیوطی فی تفسیرالدر المنثور فی ذیل تفسیر آیت وآت ذاالقربی الخ واخرج البزار وابو یعلی وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابی سعید الخدری۔

(۱۱) ثعلبی سے نقل کی واقعہ علی بن الحسین کا ہے کہ اس نے ذاالقربیٰ سے قرابت رسول مراد لی ہے مگر اس میں فدک کا ذکر موجود نہیں۔

ان روایات میں جن راویوں پر سند کا مدار ہے ان کے اوصاف یہ ہیں۔

واقدی۔ کذاب رافضی، بشر بن غیاث، زندیق کا فریبودی کا بیٹا تھا۔

ابو سعید جو اصل ماخذ اور منبع ہے اس کے اوصاف بیان ہو چکے ہیں۔

عطیہ کوفی شیعہ، عباد بن یعقوب: من غلاۃ الشیعۃ ورؤس البدع (میزان الاعتدال

ان عباد بن یعقوب کان یشتم السلف وقال صالح جزرہ کان عباد بن یعقوب یشتم عثمان وکان داعیا الی الرفض ومع ذالک یروی المناکیر من المشاھیر فاستحق الترک

فضیل بن مرزوق۔ قال النسائی ضعیف وکذا ضعفہ سعید قالت وکان معروفا بالتشیع وقال ابن حبان منکر الحدیث جدا ویروی عن عطیہ الموضوعات قلت عطیہ اضعف منہ (میزان الاعتدال)

اس تفصیل سے ان روایات کے راویوں کا کردار سامنے آگیا۔ اصول یہ ہے کہ سند حدیث میں اگر ایک راوی غیر معتبر ہو تو پوری حدیث غیر معتبر قرار دی جاتی ہے۔ ان روایات

ہیں تو سارے کے سارے راوی کذاب اور شیعہ ہیں جن کے نزدیک جھوٹ بولنا عبادت ہے بلکہ بڑا حصہ دین تو اسی تقیہ میں پنہاں ہے پھر ان روایات پر اعتبار وہی کر سکتا ہے جو جھوٹ کو سچ سمجھتا ہو۔ سوال یہ نہیں کہ فلاں فلاں کتابوں میں ہبہ فدک کا ذکر ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ دعویٰ ہبہ فدک کسی صحیح الاسناد مرفوع حدیث سے ثابت ہے یا نہیں تو ظاہر ہے کہ ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔

رہا علمائے متکلمین کا معاملہ تو اس کے متعلق شرح عقائد صفحہ ۱۹۹ پر وضاحت موجود ہے۔

اما ادلۃ الشیعۃ فاما موضوعات او غیر واضحۃ الدلالۃ فلا تعارض وینکشف ھذا بالنظر فی کتب الحدیث لکن علماء الکلام بمعزل عن علم الحدیث۔

شیعوں کے دلائل من گھڑت ہوتے ہیں یا غیر واضح الدلالت علی المطلوب ہوتے ہیں لہٰذا کوئی تعارض نہ رہا۔ کتب حدیث پر نظر ہو تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے لیکن متکلمین حضرات تو علم حدیث سے کوسوں دور ہیں۔

یعنی متکلمین کا کسی حدیث کے متعلق کچھ کہہ دینا حجت نہیں ہوتا۔ یہ فن محدثین سے تعلق رکھتا ہے پھر یہ کہ متکلمین میں سے بھی جو سنی مشہور ہیں حقیقت میں شیعہ ہوتے ہیں مثلاً شہرستانی جس کے متعلق امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے۔

بل یمیل الشھرستانی کثیرا الی اشیاء من امورھم بل یذکر احیانا اشیاء من کلام الاسماعیلیۃ ولھذا اتھمہ بعض الناس بانہ من الاسماعیلیۃ وقد یقال ھو مع الشیعۃ وبالجملۃ فالشھرستانی یظھر المیل الی الشیعۃ ولا یحتج بہ الا من جاھل وان ھذا الرجل یعنی الشھرستانی کان لہ

علامہ شہرستانی بہت سے امور میں شیعوں کی طرف میلان رکھتا ہے بلکہ احیاناً شیعوں کے فرقہ اسماعیلیہ کے عقائد بیان کرتا ہے اسی لیے اسے اسماعیلیہ ہونے سے متہم کیا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے وہ شیعہ تھا مختصر یہ کہ شہرستانی کا رجحان شیعہ کی طرف ہے۔ دلیل کے طور پر شہرستانی کا حوالہ صرف جاہل آدمی ہی دے سکتا ہے۔ شہرستانی

بالشیعۃ الامامیۃ واتصال وانہ دخل فی اھوائھم بما ذکرہ فی ھذا الکتاب یعنی الملل والنحل۔

کو شیعہ سے خاص تعلق تھا۔ الملل والنحل میں جو کچھ اس نے لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ شیعہ بدعات میں شامل تھا۔

شہرستانی متکلم کی حقیقت تو سامنے آگئی اس کے علاوہ جن متکلمین کا شیعہ علماء نے ذکر کیا ہے انہوں نے حدیث ہبہ فدک کی صحت اور عدم صحت کی طرف توجہ ہی نہیں کی اگر وہ لوگ اصول حدیث کے مطابق اس حدیث پر بحث کرتے پھر ہبہ کا ذکر کرتے تو کوئی بات بھی تھی محض ان لوگوں کا ہبہ یا حدیث کا ذکر کر دینا کوئی حجت نہیں۔

صواعق محرقہ کا حوالہ پیش کرنا بھی کوئی مفید مطلب بات نہیں اس کتاب میں اور دوسری ایسی کتابوں میں یہ کہا گیا ہے کہ "اگر دعویٰ ہبہ فدک صحیح ہے تو جواب یہ ہے۔۔۔۔۔۔" لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر دعویٰ ہبہ فدک صحیح تسلیم کر لیا جائے تو جواب بنانے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔